

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صدر
حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی

رئیس اختری

ابو عمار زاہد الراشدی

مدیر

حافظ محمد عمار خان ناصر

مدیر منتظم

ناصر الدین زادہ، عامر

وزیر مبادله

سالانہ ایک سورہ پے
نی پر چد کس روپے
ہر دن ہمارا لک سے
دوسرا مرکی ڈا رسالانہ

خط و کتابت کے لیے

مرکزی جامع مسجد
پوسٹ بکس 331 گوجرانوالہ
فون و فیکس
92 431 219663

ای میل

director@alsharia.net

ویب ایمیل ریس

www.alsharia.net

ماہنامہ

الشريعة

جلد : ۱۲ ○ نومبر ۲۰۰۱ء ○ شمارہ : ۱۱

فہرست

۲	رئیس اختری	کلمہ حق
۶	نظام شریعت کی ضرورت و اہمیت	مولانا صوفی عبدالحمید سواتی
۸۰	عصر حاضر میں اسلام کی تجیر و تشریع	مولانا محمد میں منصوری
۱۶	ڈاکٹر حافظ حنفی میاں قادری	فریادیں، دین کی دعوت
۱۹	تمار ناصر	قیسیر کیا اور اس کی خصوصیات
۳۲	پروفیسر میاں انعام الرحمن	امریکی اکسپو شرکی تی جتیں
۳۶	بک کٹ مین	امریکی معاشرہ۔ سوچ میں تبدیلی
۴۲	عبدالرشید ارشد	کی جانب گامز

دنیا میں معاشری توازن قائم کرنے کا واحد راستہ

۱۶۔ اکتوبر کو دنیا بھر میں "علمی یوم خوراک" منایا گیا اور اس سال اقوام متحده کے زیر اہتمام "غربت کی کمی کے لیے بھوک سے لڑیں" کے عنوان سے اس موضوع پر مختلف تقریبات، مقالات، روپرتوں اور خبروں کا اہتمام کیا گیا۔ عالمی سطح پر خوراک اور غربت کی صورت حال کے بارے میں ایک روپرٹ بھی سامنے آئی ہے جس میں دنیا کی غریب اقوام اور غربت و ناداری کی زندگی گزارنے والے کروڑوں انسانوں کی حالت زار کے بارے میں اعداد و شمار پیش کیے گئے ہیں۔ روپرٹ میں بتایا گیا ہے کہ صومالیہ، افغانستان اور بروندی اس وقت دنیا کے سب سے زیادہ نرم فاقہ کش ملک شمار ہوتے ہیں اور دنیا میں کم و بیش تو ہے کہ روڑ انسان ایسے ہیں جنہیں صرف اس قدر خوراک میسر آتی ہے کہ وہ جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھ سکیں۔ ان میں سے ۸۰ کروڑ کے لگ بھگ لوگوں کا تعلق ترقی پذیر ممالک سے ہے۔ علمی اور رہ خوراک وزراعت کی اس روپرٹ میں ہے "ٹیکٹ آف فوڈ ان سکیورٹی ان دی ولڈ ۲۰۰۰ء" کا عنوان دیا گیا ہے، بتایا گیا ہے کہ سخت قسم کی غذا میں مشکلات کے حامل ممالک میں افغانستان، بیکل و بیش، بیشی، عمومی جمہوریہ کوہیا، صومالیہ اور بروندی سمیت صحرا اور افریقہ کے ۱۶ دوسرے ممالک شامل ہیں جبکہ کم نویعت کی غذا میں محرومی کے شکار ممالک میں پاکستان اور بھارت بھی شمار ہوتے ہیں۔ روپرٹ میں خلک سالی اور جنگلوں سے پیدا شدہ صورت حال کا بھی جائزہ لیا گیا ہے اور غربت، خوراک کی کمی اور ناداری کو دور کرنے کے لیے عالمی سطح کی کوششوں پر زور دیا گیا ہے۔

روپرٹ کی تفصیلات و جزئیات کا احاطہ اس موقع پر ضروری نہیں ہے البتہ اس حوالے سے غربت، ناداری اور بھوک کے عالمی تناظر میں اصولی طور پر اس بات کا جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس غربت و ناداری اور بھوک و افلاس کے اسباب کیا ہیں اور ان اسباب کو دور کرنے کے لیے عالمی سطح پر آج کے دور میں کیا کیا جاسکتا ہے؟ اس کے بارے میں ایک نقطہ نظر یہ ہے اور آج کی بین الاقوامی قوتوں اور اداروں کی پالیسیوں کی بنیادی نقطہ نظر پر ہے کہ آبادی بے تحاشا بیڑھ رہی ہے اور دنیا کے موجود اور میسر وسائل آبادی میں اس تیز رفتار اضافے کا ساتھ نہیں دے رہے جس سے عدم توازن پیدا ہو گیا ہے اور بھوک اور غربت برصغیر جا

ری ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ آبادی میں اضافے کو روکا جائے اور انسانی آبادی میں شرح پیدائش کو خواک اور دیگر سائل میں اضافہ کی رفتار کے ساتھ مسلک کر کے کنٹرول میں لا جائے۔

آبادی میں اضافے پر کنٹرول کی اس عالمی پالیسی سے جو معاشرتی خرابیاں جنم لے رہی ہیں اور پریشان کن سائل پیدا ہو رہے ہیں، وہ اپنی جگہ پر بکران سے قطع نظر اسلامی نقطہ نظر سے اور معروضی حقائق کے حوالے سے برے سے یہ بنیاد ہی غلط ہے اور محض ایک مفروضہ ہے جسے بہت سے جائز اور تجائز مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ پوری کائنات کا خالق واللک اور اسے چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے جو اپنی حکمت اور مصلحت کے ساتھ اس پورے نظام کو کنٹرول کر رہا ہے۔ سب انسان اسی نے پیدا کیے ہیں اور زمین میں ان کے لیے خواراک بھی اسی نے مہیا کی ہے۔ اسے انسانوں کی ضروریات اور زمین میں خواراک کے خزانوں کی مقدار کا علم ہے۔ وہ انسانوں کی ضروریات سے غافل نہیں ہے اور نہ آبادی اور خواراک کے ذخائر میں توازن قائم رکھنا اس کے بس سے باہر ہے۔ اس نے ہر جاندار کی خواراک کا وعدہ کر رکھا ہے اور اس وعدہ کے مطابق وہ صرف انسانی آبادی نہیں بلکہ ہر جاندار حقوق کو اس کی ضرورت کے مطابق خواراک اور دیگر ضروریات مہیا کر رہا ہے اور ایسا ہر گز نہیں ہے کہ اس نے کسی کو پیدا کیا، اس میں روح ذاتی اور دنیا میں اس کے لیے اس کی ضرورت کے مطابق خواراک مہیا نہیں کی کیونکہ یہ قلم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے قلم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے دو تین کا تمذکرہ مناسب خیال کرتا ہوں۔

سورہ ہود کی آیت ۶ میں اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے:

"زمین میں ریئنے والا کوئی جانور ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے نے لے رکھا ہو۔ وہ ہر جاندار

کے عارضی اور مستقل بحکامے کو جانتا ہے اور یہ سب کچھ دیکھ دیکھ دیجود ہے۔"

سورہ ابراء کی آیت ۳۲ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"الله تعالیٰ نے تمہیں ہر وہ چیز دی جس کا تم نے اس سے سوال کیا۔"

یہاں یہ اشکال سامنے آیا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسانوں نے ان نعمتوں کا کوئی سوال تو نہیں کیا اور نہ اپنی ضروریات کی کوئی فہرست پیش کی تو مفسرین کرام نے کہا کہ یہاں سوال سے مراد زبان حال کا سوال ہے اور مشبور مفسر قاضی بیضاوی نے اس کا تردید ہے یوں کیا کہ "الله تعالیٰ نے تمہیں ہر وہ چیز دی جو سوال کے قبل تھی" یعنی ہر وہ چیز جس کے سوال کی ضرورت پیش آئتی تھی، وہ بغیر سوال کے مبیا فرمادی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ

دنیا میں انسانی ضروریات کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے مہیا کر دی ہیں اور کسی ضرورت کو ادھورا نہیں چھوڑا بلکہ ان تک رسائی اور ان کے حصول کے لیے اسباب کا واسطہ بنادیا اور حکم دیا کہ اسباب کے درجے میں محنت کر کے اپنی ضروریات کی چیزیں حاصل کرو۔

سورہ نجم اسجدة آیت ۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں بنایا اور پھر دو دن میں اس میں خواراک کے ذخیرے و دیافت کیے۔ اس سے آگے ایک جملہ ہے: سواہ لمساتیں۔ حضرت حسن بصریؑ، امام ابن جریر طبریؑ اور بعض دیگر مفسرین کرام اس کا مطلب یہ ہے کہ تے ہیں کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھے گئے خواراک کے ذخیرے "ضرورت مندوں کی ضرورت کے مطابق" ہیں، یعنی زمین کی پشت پر حقیقی آبادی ہو گئی، زمین کے پیٹ میں اس کی ضرورت کے مطابق خواراک موجود ہے گی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے نہ صرف جانداروں کی خواراک کی ذمہ داری انھی کا ہے بلکہ خواراک کے ضرورت مندوں کی تعداد اور خواراک کے ذخیرے کی مقدار کے درمیان توازن قائم رکھنے کا وعدہ بھی فرمایا ہے اور یہ بات ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بات کا وعدہ کریں اور اسے اپنی ذمہ داری نہ بھرا لیں اور پھر نعوذ باللہ اس سے غافل ہو جائیں۔

اس لیے مسئلہ انسانی آبادی میں اضافے کی رفتار اور زمین میں خواراک کے ذخیرے کی مقدار میں توازن کا نہیں ہے کیونکہ اس توازن کو قائم رکھنے اور ہر ضرورت مند کی ضرورت کے مطابق خواراک اور دیگر ضروریات مہیا کرنے کا اس نے وعدہ کر رکھا ہے۔ مسئلہ اس سے آگے ہے جو اسباب سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں دو پہلو قابل توجہ ہیں: ایک یہ کہ زمین میں موجود خواراک کے ذخیرے کی مقدار کس طرح جو اور دوسرا یہ کہ ان کی تقسیم کا کیا نظام ہو؟ کیونکہ یہ دو باتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذمے کی ہیں اور انہیں انسان کی عقل اور دیانت کی آزمائش بھرایا ہے۔ گز بڑا اسی مقام پر ہے اور ہمیں اس گز بڑا مختہنے دل و دماغ کے ساتھ جائزہ لینا چاہیے تاکہ خرابی کے اصل مقام کا تعین ہو اور اسے دور کرنے کے لیے صحیح سمت میں کوشش کی جاسکے۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی فلاہی مملکت میں ہر کنبے کو اس کی ضرورت کے مطابق وظیفہ دیا جاتا ہو اور پندرہ ہیں افراد کے ایک کنبے کے سز براہ کو اتحاری دی جائے کہ وہ اپنے کنبے کے افراد کی ضروریات کے لیے اتنی رقم سرکاری خزانے سے لے سکتا ہے مگر وہ اپنے کنبے کی ضرورت کی رقم سرکاری خزانے سے وصول کرنے میں بے پرواہی کرتا ہے یا وہاں سے وصول کر لیتا ہے اور متعلق لوگوں پر خرچ کرنے کے بجائے ذاتی عیش و عشرت پر ضائع کر دیتا ہے تو اس کنبے کے افراد کو خواراک والی اس اور دیگر ضروریات نہ ملنے کی ذمہ داری

اس ظاہی ریاست پر نہیں ہوگی بلکہ کنبے کا سر برداہ اس بات کا مجرم ہو گا کہ اس نے رقم وصول نہ کر کے یادِ صولی کی صورت میں بے جا تھیں پر صرف کر کے اپنے کنبے کے افراد کو بھوک، ناداری اور غربت سے دوچار کر دیا ہے۔ اسی طرح آج اگر دنیا میں کروڑوں انسان بھوک اور فاقہ کا شکار ہیں اور بہت سے ممالک اپنے عوام کو بنیادی ضروریات مہیا کرنے سے قاصر ہیں تو اس کا قصور و اروہ نظام اور سُسٹم ہے جس نے انسانی برادری کی عالمی سطح پر چودھراہٹ سنپال رکھی ہے اور جس نے خواراک کے ذخیرے اور دنیا کے مالی وسائل پر اجارہ داری قائم کر کے ان کی تقسیم کے قام اختیارات پر بقید کر دکھا ہے۔ یہ دنیا کے مالی وسائل اور خواراک کے ذخیرے پر چند ممالک کی اجارہ داری اور ان کی تقسیم کے ترجیحی نظام کا کرشمہ ہے کہ ایک طرف امریکہ اپنی پیدا کردہ گندم کا ایک بہت بڑا حصہ زمینداروں کو گندم کاشت کرنے سے سرکاری طور پر روکا جاتا ہے اور دوسری طرف تو ازن رکھنے کے لیے کچھ زمینداروں کو گندم کاشت کرنے سے دعویٰ طلاقے میں مارکیٹ کی قیتوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف غریب یوں کی غربت اس سے دعویٰ رفتار سے بڑھ رہی ہے۔ خود ہمارے ملک میں ایک طرف چند افراد اور خاندان ہیں جن کے کئے مکھن اور پنیر کھاتے ہیں اور دوسری طرف کروڑوں غریب عوام ہیں جن کے بچوں کو دو وقت سادہ روتی بھی نہیں ہوتی۔ غربت کا مسئلہ قومی سطح پر ہو یا عالمی سطح پر، دونوں جگہ خرابی کا باعث تقسیم کا نظام ہے اور وہ خود غرض طبقات و اقوام اس کے ذمہ دار ہیں جو اپنی عیاشی اور لکھری کے لیے غریب عوام و طبقات کا احتصال کر رہی ہیں اور کروڑوں بھوکے اور فاقہ کش انسانوں کے من سے نو اے چھین کر اپنی جبوریاں بھر رہی ہیں۔ تقسیم کے اس نظام کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ زمین کے وسائل پر تمام انسانوں کا یکساں حق حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ تھیں دلکھری اور غربت و فاقہ کی دونوں انتہاؤں کی نفع کرتے ہوئے ضروریات کی باوقار فراہمی کے معتدل اور متوازن اصول کو اپنانے کی ضرورت ہے اور ایک عدد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ضرورت ہے جو خلیفہ کی حیثیت سے وظائف تقسیم کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ازواج مطہرات اور اصحاب بدر کو زیادہ وظیفہ دیئے اور باقیوں کو کم دیئے کی درخواست کو یہ کہہ کر مسٹر دکر دیں کہ ”یہ معیشت کا شعبہ ہے۔ اس میں برادری کا اصول ترجیح کے اصول سے بہتر ہے۔“ غربت و ناداری پر قابو پانے اور فاقہ و اقلام کو فرم کر کے تمام انسانوں کو ضروریات زندگی سے بہرہ دو کرنے کے لیے دنیا کو اسی اصول پر واپس آنا ہو گا۔ اس کے بغیر دنیا میں معاشی تو ازن قائم کرنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

نفاذِ شریعت کی ضرورت و اہمیت

جب تک پر صیر پر انگریز حکمران رہا، اہل ایمان اس کے قانون کی پابندی پر مجبور تھے۔ سایا، اقتصادی، معاشرتی، تجارتی قوانین سب انگریز کے وضع کردہ تھے البتہ اس نے مسلمانوں کو بعض رعایات دے رکھی تھیں جن کو پرسل لا کہا جاتا تھا اور مسلمان اپنے عقیدہ کے مطابق ان کو اختیار کر سکتے تھے۔ مگر آزادی کے بعد تو انگریزی قانون کے نفاذ کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ پاکستان کے قیام کے فوراً بعد تمام قوانین کو اسلامی قوانین میں تبدیل کر لیا جاتا مگر افسوس کہ آج تک ایسا نہیں ہو سکا۔ اس نہیں میں کار پر دازان حکومت خاص طور پر اور عام مسلمان عام طور پر گنگار ہیں کہ وہ شریعت اسلامیہ کو نافذ نہیں کر پائے۔ آج تک وہی ملعون قوانین چل رہے ہیں۔ مثلاً حداثتی موت کی صورت میں لاش کا پوست مارٹم ضروری ہے، حالانکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ سعودی کاروبار بالکل اسی طرح چل رہا ہے جیسے انگریزوں کے زمانے میں تھا۔ عدالتی نظام میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی بلکہ وہی غلامانہ تعزیریاتی قانون راجح ہے۔ دیکھیں ترکی میں شریعت کا قانون نہیں ہوا تو ملکی قانون بھی بدل دیے گئے اور پھر کوئی قانون جرمی کا، کوئی برطانیہ کا اور کوئی فرانس کا لے لیا گیا اور اس طرح آدھا تیر آدھا نیروالی مثال صادق آئی۔ خود ہمارے ملک میں شریعت کا نفاذ اس بھانے سے نہیں کیا جا رہا ہے کہ اس پر تمام نہ اہب متفق نہیں ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ کسی طرح چور دروازے سے حکومت پر قابض رہیں۔ اگر خدا کا قانون جاری ہوتا ہے تو ان کا اپنا اقتدار خطرے میں پڑ جاتا ہے لہذا اخیر یہ اسی میں ہے کہ جس طرح کا نظام چل رہا ہے، اسے چلنے دیا جائے۔ تعزیریاتی قوانین میں شرع کے مطابق کچھ رد و بدل کیا گیا ہے مگر اس کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ سعودی عرب میں حدود کا نفاذ ہے تو وہاں جرائم بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ وہ بد و تھے جو کبھی مسافر کے پاؤں سے جوتا بھی اتر والیا کرتے تھے مگر آج اسلامی تعزیریات کے نفاذ کا یہ اثر ہے کہ سڑک پر سونے کی ذلی بھی پڑی ہو تو کوئی ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کر سکتا بلکہ

پہلیں کو دور سے ہی بتا دیتا ہے کہ وہاں کسی کامال پڑا ہے۔ آج لوگ دکانیں سکھی چھوڑ کر نماز کے لیے جلتے ہیں مگر کسی کی کیا مجال ہے کہ چوری تصور بھی کر سکے۔ اب تک زیادہ سے زیادہ پچاس سانحہ آدمیوں کے ہاتھ کئے ہوں گے مگر چوری بالکل ختم ہو گئی ہے۔ اور ہمارے ہاں شرعی قوانین سے انحراف کی وجہ سے لوگ مسجدوں سے جوتے تک چوری کر لیتے ہیں۔

باقی رہایہ اعتراف کوں ساقمی قانون نافذ کیا جائے تو یہ بھی کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے۔ یہ ایک مسلم اصول ہے کہ جس ملک میں جس فقہ کے ماننے والوں کی اکثریت ہو، وہاں اسی فقہ کا قانون نافذ کیا جائے۔ اقویں میں ماکلی فقد کی اکثریت تھی تو وہاں ماکلی فقد رائج رہی۔ بر صیر، افغانستان، ترکی، خراسان وغیرہ میں حنفی لوگوں کی اکثریت ہے تو یہاں حنفی فقہ کے مطابق قانون جاری ہونا چاہئے۔ افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ حنفی قانون کے نام سے بد کتے ہیں حالانکہ یہ بھی قرآن و سنت سے ہی ماخذ ہے اور قرآن و سنت کے خلاف کوئی چیز قابلِ بقول نہیں۔ فتاویٰ اور دیگر کتب کی تمام باتیں قابلِ عمل نہیں ہوتیں بلکہ یہ محض معلومات ہوتی ہیں جن پر قانون کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ عالمگیری سے لوگوں کو خواہ مخواہ چڑھتے ہیں۔ یہ تو پانچ سو علاں کا تدوین کردہ قانون ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے۔ اس کی مخالفت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر لوگوں کی اکثریت کا قانون جاری کر دیا جائے تو دوسرے لوگ بھی محروم نہیں رہتے۔ حنفی فقہ ہزار سال سے زیادہ عمر صنک دنیا میں رائج رہی ہے۔ اس کے باوجود اگر کسی نے اپنے آپ کو شافعی ظاہر کیا ہے تو اس کا فیصلہ شافعی مسلک کے مطابق کر دیا گیا اور اس میں کسی مسلک والے کو دقت پیش نہیں آئی۔ مختلف فقہی مسلک میں کامل اتفاق تو شاید بھی ممکن نہ ہو۔ انگریزی قانون میں بھی کبھی دوچھ کسی فیصلہ پر متفق نہیں ہوئے۔ بھنوکی پھانسی کے مسئلے پر سارے چھ متفق نہیں ہوئے تھے بلکہ ان میں بھی اختلاف رائے تھا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ دنیا وی قوانین میں تو اس حکم کے اختلافات برداشت کر لیے جاتے ہیں مگر فقہی جزئیات میں ایسے اختلافات کو برداشت نہیں کیا جاتا اور کامل اتفاق رائے تک نفاذ شریعت کے عمل کو پایہ محکمل تک نہیں پہنچتے دیا جاتا۔ بہر حال شریعت کا قانون من جانب اللہ ہے جس میں تمام کلیات اور جزئیات آگئے ہیں اور پاکستان جیسے نظریاتی ملک میں اس کے نفاذ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔

عصر حاضر میں اسلام کی تعمیر و تشریع

زیر نظر تحریر میں مولانا محمد عیسیٰ منصوری نے دور حاضر میں دعوت اسلام کے بعض نہایت اہم پہلوؤں پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس موضوع پر ہم دیگر اہل علم کی جنیدہ فکری تحریروں کو بھی خوش آمدی کریں گے۔ (دری)

مغرب میں مسلمانوں کے مستقبل کا درود مدارس بات پر ہے کہ وہ اسلام کے پیش کرنے میں کیا حصہ علمی اختیار کرتے ہیں۔ ایک طبق اسلام کو شخص نظام اقتدار ہنا کر پیش کر رہا ہے جس کے نتیجے میں مقامی آبادی میں اسلام سے دشت پیدا ہو رہی ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ مسلمان یہاں اقتدار اعلیٰ کے خواب دیکھ رہے ہیں جبکہ صحیح طریقہ یہ تھا کہ اسلام کے نظام عقائد کو پیش کیا جاتا۔ یعنی اسلام کے نظریہ و فکر کو جو آج کے نظریاتی دور اور اہل مغرب کی نفیات کے میں مطابق ہوتا اور مغربی اقوام کو جنیدی اور کھلے دل سے اس پر غور کرنے کا موقع ملتا۔ چنانچہ دیر "الرسالہ" جناب وحید الدین خان ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ہر انسانی گروہ کا ایک نظام عقائد ہوتا ہے اور اس کا نظام اقتدار۔ موجودہ زمانہ کے مسلمان نظام اقتدار کے اعتبار سے دوسری قوموں سے بچپنے ہو گئے ہیں لیکن نظام عقائد (فلک و نظریہ) کے اعتبار سے آج بھی دو تباہ قوموں سے زیادہ طاقتی ور ہیں اگر مسلمانوں کے قائدین ساری دنیا میں یہ کر رہے ہیں کہ وہ نظام اقتدار کے میدان میں دوسری قوموں سے ٹکرائے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کے حصے میں نکست دیر بادی کے سوا اور پچھے نہیں آ رہا ہے۔ اگر وہ اس بے قائدہ گکڑا کو ختم کر دیں اور نظام عقائد کے میدان میں دوسری قوموں کو اپنا خاطب بنا کیں تو بہت جلد وہ دیکھیں گے کہ ان کی نکست کی تاریخ فتح کی تاریخ میں تبدیل ہو گئی ہے۔"

۱۹۹۳ء میں امریکہ میں عالمی نڈاہب کا انفراس ہوئی جو ہر سال بعد منعقد ہوتی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دنیا کے ہر چھوٹے بڑے نہب کے میتوں کاروں کو اپنے نہب کا تعارف پیش کرنے کا موقع

دیا جاتا ہے۔ اس کا انفرنس میں شرکت کرنے والی ایک علیٰ خصیت نے اس کا انفرنس کا ایک نہایت قابل غور بحث تحریر کیا ہے۔ وہ یہ کہ کانفرنس میں دوسرے مذاہب پر فتنگوں کے دوران لوگ سمجھدہ رہتے اور بغور سنتے مگر جو نئی اسلام کے تعارف کا موقع آ جاتا، وہ جارحانہ انداز اختیار کر لیتے۔ لوگوں کے اس روایہ کا سبب تھا تھے ہوئے وہ تکھتے ہیں کہ دیگر مذاہب کے نمائندے اپنے مذاہب کو فرد کی تعمیر کی حیثیت سے پیش کرتے یعنی ان کا مذہب فرد کے اعمال و عقائد میں کیا تبدیلی چاہتا ہے۔ اس کے بعد اسلام کا نمائندہ اپنی باتیہاں سے شروع کرتا کہ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے، وہ پورے اجتماعی نظام میں انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے۔ غرض وہ اسلام کو ایک کامل ریاستی نظام کی حیثیت سے پیش کرتا یعنی فرد کے بجائے ریاست کے حوالہ سے۔ یہ بدینکی بات ہے کہ جب ریاست و ستم کی بات آئے گی تو سامع پر فوری اثر یہ مرتب ہو گا کہ وہ سمجھے گا کہ مسلمان ہم پر سیاسی بالادی و اقتدار کے خواہاں ہیں۔ اس طرح خود بخود اسلام کے متعلق ان کا انداز جارحانہ ہو جائے گا اور وہ ہی نئی طور پر تاؤ (Tension) کی حالت میں آ جائیں گے۔

موجودہ دور کے مسلمانوں میں اسلام کے حوالے سے اس طرزِ فکر کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ صدیوں میں عامِ اسلام کے بڑے حصے پر مغرب کی سیاسی حکمرانی رہی ہے۔ اس کے رد عمل کے طور پر یہ میں صدی کے دور نامی میں نشوونما پانے والے متعدد اسلامی مفکرین کے ذہنوں پر اسلام کا سیاسی پیشوادی ہو گیا۔ اس فکر سے مغلوب ہو کر انہوں نے اسلام کی سیاسی تعمیر پیش کرنی شروع کی یہونکہ اسلام کو ایک ریاستی نظام کے طور پر پیش کرنے میں ان کی غلامی کی محروم اتنا کو ایک طرح کی تسلیم حاصل ہوتی تھی۔ حالات کے جریبے ان کے فہم اسلام میں یہ انحراف پیدا کر دیا کہ ان کے نزدیک اسلام کا بیانیادی بہف و مقصد فرد کی تعمیر کے بجائے ریاست و اقتدار کا قیام ہے جبکہ فی الواقع اسلام کی تعمیر اپنائی مخالف اگزیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا اصل نشانہ بھی فرد ہے نہ کہ اجتماع۔ اجتماعی تبدیلی اس کا بالاواسطہ جز ہے نہ کہ برادرست۔ انسانی شخصیت کی تعمیر ہی اسلام کا اصل مقصد ہے جس طرح یہ دوسرے مذاہب کا مقصد ہیان کیا جاتا ہے۔ اسلام کو سیاسی نظام کے انداز میں پیش کرنے کا فوری نقصان یہ ہوتا ہے کہ مخاطب شروع ہی سے تاؤ اور ہمسُن کی کیفیت آ جاتا ہے اور وہ کھلے دل سے اسلام کی بات سننے اور اس پر غور کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہتا۔ اس موضوع پر جناب خورشید احمد ندیم صاحب لکھتے ہیں:

”وین کے ماخوذوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وین کا اصل مطلب ایک اسلامی ریاست کا قائم نہیں“

بے گز مسلمان چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کے پابند ہیں اس لیے جب یہ کہیں مل کر کوئی

معاشرت یا ریاست قائم کریں گے تو ان کے اجتماعی نظام میں ایک ناگزیر تقاضے کے طور پر دین ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔ اس اعتبار سے یہ اجتماعیت کے متعلق ایک تقاضا ہے نہ کہ دین کا نصب اھمیں۔ اس کو ایک دوسرے زاویے سے دیکھئے۔ اس امت پر شہادت حق کی جوڑ مداری عائد ہوتی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ اگر انہیں کہیں اقتدار ملے تو وہاں وہ اللہ کے دین کو غالب کریں۔ اب نصب اھمیں اور تقاضے کے اس فرق کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام کی موجودہ صورت حال پر نظر ڈالیے تو۔۔۔ اب حید الدین خان صاحب کی اس بات سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ مسلمان اس وقت اس کیفیت میں نہیں کہ کوئی پُرپُشکل ایضاً رکھ دی کریں۔ البتہ وہ ایک ”دُوہ ایضاً“ ضرور قائم کر سکتے ہیں یعنی اس وقت مداراً اس کی ترقی اور آزادی ابلاغ کی اس فضा کو استعمال کرتے ہوئے وہ ایک عالمی دعوت کی بنیاد رکھ سکتے ہیں، لہذا مغرب کے ساتھ کسی مکالہ میں شریک ہوتے وقت مسلمانوں کو اس پہلو سے بھی غور کرنا ہو گا کہ وہ داعی ہیں اور مغرب ان کا مددو۔ اس لیے داعی اور مددو کے مابین تعلق کی صحیح نویسی ان کے پیش نظر ہتی چاہئے۔

نیز انسانی فطرت کا یہ پہلو بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ آدمی ہمیشہ نظریہ کی تقدیق خارج میں چاہتا ہے۔ جب آپ اسلام کو ایک سیاسی نظام کے طور پر پیش کریں گے تو قدرتی طور پر مخاطب اس کی تقدیق کے لیے مسلمانوں کا (سعودی عرب، پاکستان، ایران، عراق) کی طرف دیکھے گا۔ جب وہاں کوئی بہتر سُمُّ و نظام نہیں پائے گا تو شروع ہی سے اسلام کی صداقت کے متعلق شک و شبہ کا شکار ہو جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت مغرب میں خشنڈے دل سے اسلام پر غور کرنے اور اس کے سمجھنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ افراد و جماعتیں ہیں جنہیں اسلام کی سیاسی تعبیر پر اصرار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی سیاسی تعبیر کا ذہن میوسیں صدی کے اوائل میں یورپ کی مسلم دنیا پر سیاسی بالادستی کے رویں کے طور پر پیدا ہوا۔ میوسیں صدی دنیا میں مختلف اzmوں کے عروج و غفلہ کا دور ہے، کیموزم، سو شلزم، سیکولر ازم، کیپٹل ازم وغیرہ۔ اس سے متاثر ہو کر بعض اسلامی مفکرین نے اسلام کو ایک ازم کے طور پر پیش کیا۔ اسی طرح اسلام کو بطور تحریک پیش کرنا بھی اسی کا حصہ ہے۔ اگرچہ تحریک عربی لفظ ہے مگر قرآن و حدیث، سیرومغاڑی حتیٰ کہ میوسیں صدی سے پہلے فتو و ادب میں تحریک کا لفظ شاذ و تادری استعمال ہوا ہے۔ اس کے لیے عام طور پر دعوت کا لفظ مستعمل تھا۔ اس کے بعد عکس اگر اسلام کو نظری انداز میں پیش کیا جائے تو اس کی تقدیق کے لیے مخاطب انسانی فطرت کی طرف رجوع کرے گا اور یہاں وہ فوراً اس کی تقدیق پا لے گا کیونکہ اسلام کو وہ فطرت انسانی کے عین مطابق پائے گا کیونکہ خلق کائنات نے اسلام کو فطرت کے عین۔۔۔ اور حق کی بنیاد پر بنایا اس لیے فطری انداز میں پیش کیے

جانے والے اسلام کی تصدیق مخاطب باتا خیر خود اپنی فطرت اور قلب کی سطح پر پاجاتا ہے، اسے اس کی تصدیق کے لیے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں رہتی جبکہ غیر فطری (سیاسی) انداز میں پیش کیے جانے والے اسلام کی خارج میں تصدیق نہ پا کر مخاطب ابتدائی سے اسلام کی حقانیت کے متعلق شہادت کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ موجودہ صدی کے بعض اسلامی مفکرین و داعیوں نے اسلام کو ایک سیاسی نظام کے طور پر پیش کر کے نہ صرف دنیا کی اقوام کو اسلام سے دور کیا ہے بلکہ خود اسلام پر بھی بڑا ظلم کیا ہے۔

اس وقت یہ مسئلہ بہت اہم اور قابل غور ہے کہ مغرب میں اسلام کی دعوت کے لیے حکمت عملی کیا ہو؟ اسلام کے پیش کرنے کا فطری طریقہ یہی ہے کہ مسلمان یہاں اپنے عمل سے اسلام کو پیش کریں اور معتدل انداز میں اسلام کے ان افادی پہلوؤں کو پیش کریں جو ساری دنیا کے انسانیت کی بہبود و بجلائی کے لیے ہیں یا علمی طور پر اسلام کے فطرت انسانی، جدید سائنس اور دیگر انسانی ملوم کے عین مطابق ہونے کو پیش کیا جائے۔ دنیا کے مذاہب میں یہ خصوصیت صرف اسلام کو حاصل ہے کہ جدید سائنس اور دیگر انسانی علوم اپنی ترقی کے ہر ہر مرحلہ میں اس کی تصدیق کرتے جا رہے ہیں۔ وہ آج تک قرآن کی ایک بات کو بھی خلاف واقعہ ثابت نہیں کر پائے جبکہ دیگر مذاہب کی ڈیگروں با تک سائنس اور جدید علمی تحقیقات سے مکراتی ہیں۔ چنانچہ حیدر الدین خان صاحب لکھتے ہیں۔

”ان (مسلمانوں) کے پاس وہ سچائی ہے جو کسی دوسرے کے پاس نہیں۔ تجارتی اصطلاح میں انہیں مذہب کے میدان میں ایک قائم کی اجارہ داری (Monopoly) حاصل ہے۔ تمام اہل مذاہب میں وہ تنباکروہ ہیں جن کے پاس بے آمیز مذہبی صفات موجود ہے، جن کا مذہب پورے مذنوں میں تاریخی مذہب ہے جبکہ دوسرے تمام مذاہب غیر معتبر روایات کا جمود ہیں۔ اسلام کے سوا کسی بھی دوسرے مذہب کو تاریخ کی بنیاد حاصل نہیں ہے۔“

اس وقت مسلمانوں کو سیاسی نظام کے خواہے مغرب میں مخاصمت بڑھانے کے بجائے اسلام کے قانونیکہ کو پیش کرتے ہوئے مغرب میں درپیش معاشرتی، اخلاقی بحران پر گفتگو کا آغاز کرنا چاہئے۔ اب وقت آگیا ہے کہ اسلام کی دعوت کا جذبہ برکھنے والے اپنے خول سے باہر نکلیں اور مغرب کے نجیہہ داش و روس اور مذہبی طبقے سے ڈائلگ شروع کریں۔ مذہب، آخرت، تمدنی و معاشرتی مسائل، خاندانی نظام استحکام، نئی نسل کی بے راہ روی، انسانیت کی اپنے پیدا کرنے والے سے درویں اور مذہبی گرفت کے کمزور پڑنے کے اسباب جیسے بے شمار عنوانات پر اسلام اور مغرب کے درمیان مکالے کی بیان درکھی جاسکتی ہے اس لیے کہ اسلام

دعوت کا نہ ہب ہے۔ وہ پوری انسانیت کی بہبود کے لیے مستقل نظریہ فکر رکھتا ہے۔ ہر مسلمان کو اس موقع کی تلاش میں رہنا چاہئے جہاں بھی وہ اپنی بات پہنچا سکے۔ تھامس مین نے درست کہا ہے: "انگلستانی نفہ تہذیب ہے۔ لفظ چاہے کتنا بھی اختلافی ہو، واسطہ کا ذریعہ بنتا ہے۔" اس موضوع پر خورشید نہیں صاحب لکھتے ہیں:

"مغرب سے مکالے میں جو بات بطور اصول ٹوٹا دشی چاہئے، وہ نظریہ ویاست کا تقاضا ہے۔ سودی عرب اور امریکہ کے تعلقات کیا ہیں؟ مشرق و سطحی میں امریکہ نے کیا طرزِ عمل انتیار کر رکھا ہے؟ مسلم اور غیر مسلم ممالک میں تجارت کن بنیادوں پر ہونی چاہئے؟ یہ سو ۱۱۰۰ امتیں سیاست کا موضوع تو ہو سکتے ہیں بلکن کسی نظری بحث کا نہیں۔ اسلام میں ایک دیاست کا قائم کیافی نظری مطلوب ہے؟ اسلام میں انسان کے معاشر قی مسائل کا حل کیا ہے؟ سرمایہ داری اور اسلام کی معاشری تعلیمات میں کہاں کہاں ہم آجیکی اور کہاں کہاں فرق ہے؟ یہ سب ۱۱۰۰ امتیں ایک نظری بحث کا موضوع ہونے چاہئے۔ عملاً یہ ہوتا ہے کہ جب بھی اسلام اور مغرب کے درمیان کسی مکالے کا آغاز ہوتا ہے تو روزمرہ کے سیاسی مسائل کچھ اس طرح غلبہ پائیتے ہیں کہ نظری مسائل دب کر رہ جاتے ہیں۔ میڈیا کو چونکہ سیاسی مسائل سے زیادہ دل چھپی ہوتی ہے اس لیے وہ اس سارے عمل کو اپنے طور پر متاثر کرتا ہے۔ اس طرح اسلام کا موقف پوری طرح واضح نہیں ہوتا۔ عرب مصلحتیں کی یونین کے سیکریٹری جنرل ملی اکاڈمی سان نے درست کہا ہے کہ "ہم اس صداقت کے دور میں زندہ ہیں جسے میڈیا یا کہتا ہے نہ کھلیجی"۔ ہوتا یہ ہے کہ اہل دنیش کی تمام مسائل احتمال رہتی ہیں کیونکہ میڈیا کی ساری دل چھپی سیاسی مفادات سے دیستہ ہے اور سیاسی مفادات کا حق و انصاف سے کوئی تعلق نہیں ہوتا"۔

سب جانتے ہیں کہ عرصہ سے مغربی میڈیا پر صیہونیت کی اجارہ داری قائم ہو چکی ہے۔ وہ کمال عماری سے اسلام کی تصویریخ کرنے کا کام خود اسلام کے داعیوں سے لے رہا ہے۔ مغرب میں دعوت و فکر کے جائے خلافت و جہاد کو مقصد قرار دینا مسلمانوں کا سب سے بڑا الیہ ہے۔ یہاں پہ جو شریعت مسلم رہنماؤں کے یہاں کی میانات میں تو ان میں عموماً دو باتیں پائیں گے: ۱۔ مسلم حکمرانوں پر غیظ و غضب اور ۲۔ مغرب کے اسلام دشمن روں کو پیش کرتا۔ اس طرزِ عمل سے مشتعل ہو کر مسلم نوجوان روں کی تفہیمات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پونکہ مغربی میڈیا مسلمانوں کو مشتعل دکھانا چاہتا ہے، اس لیے وہ ان مسلم رہنماؤں کو زیادہ سے زیادہ کو رنج دیتا ہے۔ اس کے "مقاصد" ہیں: ا۔ دنیا میں مغرب کے کھلے پن اور آزادی رائے کا پروپیگنڈا کرنا۔ ۲۔ زرائع ایامغ میں مسلمانوں کی منفی تصویر پیش کرتا کہ مقامی لوگوں میں اسلام اور مسلمانوں سے تغیر پرستار ہے۔ مسلمانوں کے بعض

پہ بوش رہنا اپنے طرزِ عمل سے شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلام اور مسلمانوں کی منفی اور انتہا پسندانہ تصویر پیش کرنے میں مغربی میڈیا کی معاونت کر رہے ہیں۔

موجو و دوسری میں مغرب میں مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ لوگوں کی نظر میں ان کی منفی تصویر (Negative Image) بن گئی ہے۔ اس صورت حال کو بدنا اور مسلمانوں کی ثبت تصویر (Positive Image) اپنی کرنا وقت کا سب سے بڑا چیز ہے اور یہ کام مسلمانوں کو خود کرنا ہو گا اور یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ مسلمان مغربی میڈیا کے اشتعال دلانے پر بھی مشتعل نہ ہوں۔ الغرض بھیں مغرب سے مکالمہ کا ایجمنڈ ارتیب دیتے وقت اس امر کا بطور خاص خیال رکھنا ہو گا کہ مکالمہ فکری و نظری مسائل پر ہونہ کہ سیاسی و تہذیبی مسائل پر، بصورت دیگر جہاں اسلام کی بے شمار تعبیریں سامنے آئیں گی، وہاں مسلمانوں اور اہل مغرب کے مختلف رویے اس کو پیچیدہ ہنادیں گے اور باہمی مکالے کی ساری تکمیل و دو بحث برائے بحث سے آگے ہی نہیں بڑھ سکے گی بلکہ اندریشہ ہے کہ مزید مخالفت و دوسری کا ذریعہ بن جائے اس لیے کیا ساست و اقتدار وہ ہے ہے جس کی بنیاد مخالفات پر ہے اور مخالفات بھائی کو بھائی کا دشمن ہنادیتے ہیں اس لیے اگر مسلمانوں نے اسلام کو نظری فکر کے بجائے نظامِ ریاست کے طور پر پیش کیا تو ایک طرف سیاسی مخالفات اور دوسری طرف صیوفی میڈیا مغرب میں اسلام کے کیس کو تکمیل کر کے رکھ دیں گے۔ دونوں نوٹس سے لے کر عصر حاضر تک اسلام کے فکر و نظری اور قرآن کے آفاقی و انسانی دلائل کا کفر کے پاس ہمیشہ ایک ہی جواب رہا ہے جسے قرآن نے ان مجرم نما الفاظ میں بیان کیا ہے: لا تسمعوا لهذا القرآن و العوا فيه لعلكم تغلبون کہ قرآن کو ستوہی نہیں اور اگر کوئی نہ تے تو مخالفان شور و شغب پر پا کرو شاید اس طرح تم غالب ہو سکو۔ جس طرح دونوں نوٹس میں اسلام کی روشنی کو چھیننے سے روکنے کے لیے پیغامبر اسلام کے ساحر، کاہن، شاعر و مجنون ہونے کا پروپیگنڈا کیا گیا، آج مغرب کی مہذب اقوام نے اسلام کے لیے خنی گالیاں ایجاد کر لی ہیں اور نئے بہتان اور اہتمامات تراش لیے ہیں۔ انتہا پسند، بنیاد پرست، انسانی حقوق کے خلاف ہونے کا شور چاکر مغرب کے ذرائع اپاٹنے نے آسان سر پر اٹھایا ہوا ہے۔ اس صورت حال میں ضروری ہے کہ مسلمان مغربی میڈیا کے اکسانے پر مشتعل نہ ہوں اور میر اُنگ سے اسلام کے فکر و نظری کو پیش کریں تو توقع کی جا سکتی ہے کہ بہت جلد حالات ان کے حق میں ہو جائیں گے کیونکہ مغرب میں مذہبی عصیت بڑی حد تک ختم ہو چکی ہے۔ گزشتہ کئی صد یوں سے مغرب کے ذہن و فکر کو تخلیل دینے والے پیشہ فلسفی و فلسفی یہودی رہے ہیں جیسے یوگل، کارل مارکس، ڈاروون وغیرہ۔ انہوں نے صد یوں کی تکمیل و دو کے بعد مغرب میں سیاسی، معماشی اور تعلیمی طور پر ایسا نظام قائم کر دیا ہے جس میں ایک

اقلیت (یہودی) بآسانی اکثریت پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور ان پر کنٹرول کر سکتی ہے۔ یہود یوں کی خفیدہ دستاویز (پرونوکول) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ دنیا پر ایک خاص نسل کے تسلط قائم کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں دوسری کسی بھی اقلیت کے لیے بہترین موقع موجود ہیں۔ مسلمان اگر سیاسی مجاز آ رائی سے بچھے ہوئے اسلام کو فکری و عملی طور پر پیش کر سکیں تو اس وقت مغرب میں اسلام کے لیے حالات نہایت سازگار ہیں۔ مسلمان مغرب میں وہ حکمت عملی اختیار کریں جو حضرت جعفر طیار نے جہش میں مسیحی بادشاہ نجاشی کے ملک میں اختیار کی تھی۔ حضرت جعفر طیار کے حضرت میسیح علیہ السلام کے متعلق عقیدہ ہے کہ نجاشی نے زمین سے ایک جنما اٹھا کر کہا تھا، ”خدا کی قسم! جو تم نے بیان کیا، یعنی اس سے اس تکے کے برابر زیادہ نہیں۔“

دوسری اہم پہلو یہ ہے کہ وقت نے خود حجاحِ اسلام مغربی پر دیکھانڈے کے غبارے سے ہوا تھاں دی ہے۔ وہ اس طرح کہ صد یوں تک مغرب میں مسلمان کو ایک خونخوار وحشی کے روپ میں پیش کیا جاتا رہا کہ مسلمان بات بات میں مغلوب المغلوب ہو جاتا ہے، فوراً توار اٹھا کر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ اب قدرت نے کروڑوں مسلمانوں کو مغرب میں پہنچا دیا اور یہاں کے عام آدمی کو روزمرہ کی زندگی میں اس ”خونخوار“ مسلمان سے سابقہ پڑنے لگا۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ کوئی مسلمان اس پر حملہ نہیں کرتا بلکہ وہ نسبت گوروں اور کالوں (ویسٹ انڈیز) کے زیادہ پر امن طور پر رہتا ہے، اس کا خاندانی نظام خونخوار حد تک مستحکم ہے تو وہ اسلام کے متعلق اپنے بڑوں کی نعلٹ میان پر سوچنے لگتا ہے۔ اس طرح بالواسطہ طور پر اسلام کے متعلق بھی غور کرنے لگتا ہے۔ اس موقع پر اگر اسلام کی صحیح اور ثابت فکر پیش کی جائے تو اس کی کامیابی کے امکانات کافی بڑے جاتے ہیں۔ مغرب میں اسلام کو بطور نظریہ فکر کے پیش کرنے کا یہی سب سے بہترین وقت ہے کہ مغرب میں ایک نظریاتی خلادیدا ہو گیا ہے۔ سو دیت یو نیک کا خاتمہ محض ایک فیڈریشن کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک نظریہ کی ناکامی کا اعلان تھا۔ کیونکہ ایک نظریہ تھا جس نے بنی آدم کے اجتماعی مسائل کا ایک حل تجویز کیا۔ ستر برس کے تجویز کے بعد یہ معلوم ہوا کہ انسان کے مسائل نہ صرف برقرار ہیں بلکہ ان میں اضافہ بھی ہو چکا ہے۔ اشتراکیت و سرمایہ داری کے اس تصادم میں سرمایہ داری کو ہر طور پر کامیابی ہوئی۔ اس وقت عالمی سطح پر سرمایہ داری کو کوئی نظریہ پیش نہیں لیکن جیسا کہ کہا جاتا ہے، کسی نظریہ کی بقا کے لیے اس کی ضد کا ہونا ضروری ہے۔ اس بنا پر ان لوگوں کا کہنا ہے کہ سرمایہ داری کو اگر کسی نظریہ پیش کا سامنا ہو تو اس کی اپنی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی، اس صورت میں اس کے داخلی تضادات سامنے آئیں گے اور یہ نظریہ خود اپنے ہی وجود میں شکست و ریخت کے عمل سے گزرے گا جو بالآخر اس کی موت پر منجع ہو گا۔ ان کے نزدیک جو نظریہ سرمایہ داری کو پیش کر سکتا ہے، ”

اسلام ہے اس لیے کیونز مکے بعد اسلام کو متوقع خطرہ کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ مغرب کی ایک اسلام دشمن طاقت درالابی جو اسلام کے نظریہ کی طاقت سے خوف زدہ ہے، اس کی حکمت عملی یہ ہے کہ اسلام کو تہذیبی و سیاسی طور پر مغرب کا حریف بنا کر پیش کیا جائے تا کہ اسلام کے خلاف اس حد تک نفرت بڑھ جائے کہ اہل مغرب کھلے دل سے اسلام کے نظریہ و فکر پر غور نہ کر سکیں۔ قسمتی سے بعض نادان مسلم رہنمایوں نے مسلم ممالک میں بھی اسلام کو اپنے حکمرانوں سے تکراؤ کا عنوان بنا کر مسلم حکمرانوں کو غیر ضروری طور پر اسلامی تحریکوں کا دشمن بنادیا ہے، وہ سیاسی طور پر تکرار کر مسلم ملکوں میں اسلامی دعوت کے موقع بر باد کر لے چکے ہیں۔ یہ لوگ عملی یہاں مغرب میں بھی بھی کر رہے ہیں۔ انہوں نے خلافت و جہاد کے نام پر ہنگاتے تحریکے کر کے محاذ آرائی شروع کر رکھی ہے۔ غرض دونوں جگہ ان پر جوش مسلم رہنماؤں نے ایک بے فائدہ لڑائی چینی ہوئی ہے۔ ان لڑائیوں نے اسلام کی دعوت و فکر پیش کرنے کے موقع بر باد کر کے رکھ دیے ہیں۔ دنیا کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے کرنے کا اہم ترین کام صرف یہ ہے کہ وہ اسلام کی دعوت کو اکٹھیں، علمی و عملی طور پر اس کے نظریہ و فکر کو پیش کریں۔ اس طرح وہ خدا کی رحمتوں کا سب سے زیادہ حصہ پانے کے حق دار تھمہریں گے۔

یہی وہ کام ہے جس پر ان کی دنیا کی کامیابی اور آخوندگی کی نسبات وابستہ ہے۔

دینی مدارس کی مثالی خدمات

جنوبی ایشیا میں دینی مدارس کے معاشرتی کردار، دینی و علمی خدمات، دینی مدارس کے خلاف عالمی ایجنسیوں کی مہم اور انصاب و نظام کی اصلاح و بہتری کے لیے تجویز کے بارے میں

مدیر "الشرعیہ" مولانا ناز احمد الراشدی

کے "الشرعیہ"، "اوصاف" اور دیگر جرائد میں شائع ہونے والے مضمون کا ایک انتخاب
حافظ عبدالوحید اشرف نے مندرجہ بالا عنوان کے تحت کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے۔

صفحات: ۹۶۔ خوبصورت نائل اور مضبوط جلد۔ قیمت: ۲۰ روپے

ناشر: مکتبہ کتب گھر، انکرمیم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فریاد نہیں..... دین کی دعوت

اسلام ایک عالم گیر دین ہے اور اس کی تعلیمات کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانا چاہئے۔ امت مسلم کا فرض ہے کہ حکومت، دل سوزی اور ہم دردی سے لوگوں کو دعوت دین دے۔ جب تک مسلمان دعوت کا کام کرتے رہے، دین کو فروع حاصل ہوتا رہا اور مسلمانوں کا وقار بڑھتا رہا۔ مگر یہ اسلام کے صدر اول کی بات ہے۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ دعوتی کام میں کمی آئی اور لوگ دین سے زیادہ دنیا کے کاموں میں لگ گئے۔ انہوں نے دین کو درست والوں کے لیے چھوڑ دیا اور درست والوں کی مالی سرپرستی کو خدمت دین کے طور پر کافی سمجھ لیا۔ نیتختا دین کی حیثیت ثانوی ہوتی گئی، آسودہ حال خاندانوں کے طلباء میڈیکل، انجینئرنگ اور سائنس میں آگئے بڑھتے گئے۔ ان حالات نے دین کو بقول حالی، غریب الغفار بنا دیا۔

حالات یہاں تک پہنچے کہ موجودہ دور کے مسلمان ایک طرح کے لفڑی فاقہ کا ٹکارا ہیں۔ تم بالائے تم یہ ہے کہ وہ حالات کا واقعی تجزیہ نہیں کر سکتے۔ نیچو یہ ہوا کہ آج کل مسلمان جو کچھ کر رہے ہیں، وہ صرف اجتاج کی قسم کی ایک چیز ہے یا فریاد ہے۔ ہم حالات کا صحیح تجزیہ کر کے کوئی قبل عمل اور مفید فعل نہیں کر سکتے ہیں۔ اپنے لیڈر ووں کے بیانات سنئے، سربراہ کانفرنس کا حال پڑھیے، ان کی سیاسی کوششوں کا تجزیہ کیجیے تو ایک بات مشترک نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہماری ساری پریشانیوں کا سبب دوسرے ہیں، ہم نہیں۔ استعماری قوتوں کی سازشیں، غیر قوموں کے مظالم، ہر صدوں کے پار والوں کا طرز عمل، یہ سب کچھ ہے جو آج ہم جانتے ہیں۔ ہم کبھی خود اپنا احتساب نہیں کرتے۔ میری حقیر رائے میں یہی ہماری سب سے بڑی کمزوری ہے۔ ہم خود اپنے دشمن بن گئے ہیں۔ حالات سے متعلقیت کے ساتھ، مومنان فراست کی روشنی میں نہیں کی صلاحیت ہم میں باقی نہیں رہی ہے اور یہی ہمارا الیہ ہے۔

آدمی صدی پہلے کی بات ہے، امیر ٹکیب ارسلان مسلمان کے ایک رہنمائی۔ انہوں نے ایک کتاب

لکھی ہے، "لَمَّا دَأْتَ أَخْرَى الْمُسْلِمِينَ وَتَقْدِيمَ عِبْرَةٍ" یعنی مسلمانوں کو کس چیز نے پہن ماندہ کر دیا اور دوسرے کیے آگے بڑھ گئے۔ اس میں صرف باہری ہاتھوں سے بٹکوہ تھا، یہ کہیں نہیں تھا کہ اب کرنا کیا جائے۔ حق یہ ہے کہ ہمارا انداز فخر ہی یہ بن گیا ہے کہ ہم حالات سے پریشان تو ہیں مگر ان سے منشنے کے امکانات پر غور نہیں کرتے۔ ہم میں مومنانہ فراست کی کی ہے، ہمارے پاس اللہ کا وہ نور نہیں ہے جس سے ہم حالات سے منشنے کی ترکیب دیکھتے، ہم معاطلے میں عمر اور مشکل کا ادراک تو رکھتے ہیں مگر یہ رساںی کو نہیں سمجھ پاتے مالا انک اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ ساتھ اس کا حل بھی پیدا فرماتے ہیں۔ ضرورت مومنانہ فراست اور مسلمانانہ نظر کی ہوتی ہے۔

اس بات کو ایک مثال سے سمجھیے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت بارون علیہ السلام فرعون کو دعوت دین دیتے ہیں، وہ مجرمہ طلب کرتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا سمجھتے ہیں اور اڑ دہا بن کر وہ دوڑنے لگتا ہے۔ فرعون اور اس کے مشیر اسے جادو کا کارنامہ سمجھتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چیخ کرتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام چیخ قبول کرتے ہیں اور ایک یوم اڑتہ (Public holiday) مقابلہ کے لیے مقرب ہو جاتا ہے۔ فرعون مصر کے سارے جادوگر جمع کر لیتا ہے، یہ لوگ ڈنگے اور رسیاں ڈال کر انہیں نظر بندی کے ذریعے سے سانپ بنادیتے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ ارشاد ربانی ہوا کہ ذر نہیں، غالب تم ہی رہو گے۔ اپنے ہاتھ کا عصا تو میدان میں ڈالو۔ یہ عصا ان کے سارے کھلیں کو ختم کر دے گا اور بھی ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا کو زمین پر ڈالنا تھا کہ وہ اڑ دہا بن کر سارے سانپوں کو کھا گیا۔ (سورہ طہ ۲۶-۲۹)

آج مسلمان بھی اسی طرح ڈر رہے ہیں۔ سازشوں کے سنپولیے، غیر ملکی ہاتھوں کے بچھو اور استعاری حکمِ عملی کے اڑ دہبے انہیں مہبوت کیے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے بغل کے عصاء کیلئی کو جھوٹ گئے ہیں اور ڈر کے مارے کا نپ رہے ہیں۔ آج اسلام کی تعلیمات علم و سائنس کی روشنی میں اپنی صداقت کا لو با منوار ہی ہیں، غیر مسلم بھی اب اسلام کے بارے میں حقیقت پسند ہوتے جا رہے ہیں۔ نئے سوراخ اسلام کی صحیح تاریخ لکھ رہے ہیں۔ اہل کتاب اسلام کو سمجھ کر اسلام کے قریب آنے کی کوشش میں میں المذاہب مکالمات کی ہست افزائی کر رہے ہیں۔ پوپ نے نئے مذہبی منشور میں مسلمان کو نجات کا مستحق مان لیا ہے، وہ اب مسلمانوں کو خارج از دین نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اپنی موت مر گیا، روس میں مسلمانوں کو تحفظ ملا ہے۔ دنیا کی ساری مشہور تعلیم گاہوں نے اسلامیات کے شعبے کھولے ہیں جہاں تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ قدیم عربی و اسلامی لفڑی پر شائع ہو رہا

ہے۔ غرض الحمد للہ مختلف عالمی دباؤ کے تحت اسلام کے حق میں ایک اعتدال کی فضاتا تم ہو رہی ہے۔ مناظرہ بازی کا دور ثتم ہوا، اب ڈائیلاگ کا دور آ گیا ہے جہاں ہرمہب کے لوگ اپنی تعلیمات پیش کرتے ہیں اور دوسرے کی بات غور سے سن کر تعاون کے امکانات پر غور کرتے ہیں۔ خود یہ فقیر ایسے بہت سے Dialogues میں شریک رہا ہے۔ National Conference of Jews and Christians پہلے یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے خاص تھی۔ اب حالات کے اثر اور ہم فقیروں کی کوششوں سے صرف نیشنل کانفرنس بن گئی ہے۔ اب اس میں ہرمہب کے لوگ حصے لے سکتے ہیں۔ یہ ساری باتیں اسلام کے حق میں ہیں۔

اب ہم گلیساوں، صومعوں (Synagogues) تک میں جا کر اسلام کا عالمی پیغام اسکے کئے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پھیلائی ہوئی انہوں اور اڑاکنامات کا معقول علمی جواب دے سکتے ہیں۔ پہلے جو کام دشمنی کے ماحول میں مناظران انداز سے ہوتا تھا، اب دوستی کے ماحول میں افہام و تفہیم کے انداز میں ہو رہا ہے۔ اب یہ خیال نہیں، ایک حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں اسلامی دعوت کے زبردست امکانات کھل گئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے منصوبہ کمال کا فضل ہے کہ اب مخالفت، دشمنی اور اذیت رسانی کے خوف کے بغیر ہم تبلیغ دین کا کام کر سکتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مخصوص انعام ہے کہ آج بھی ہزاروں کی تعداد میں لوگ مختلف ممالک میں اسلام قبول کر رہے ہیں۔ خود ہمارے ہندوستان میں تال ناذ اور دوسری ریاستوں میں لوگ کثرت سے مسلمان ہو رہے ہیں اور بی جے پی کی سازشیں انہیں روک نہیں پا رہی ہیں۔ افریقی ممالک میں دین تیزی سے پھیل رہا ہے، فرانس میں دین تیزی سے پھیل رہا ہے، فرانس میں یک تھوڑک عیسائیوں کے بعد مسلمان سب سے بڑی تعداد میں ہیں۔ یورپ کے اندر ایک مسلمان ریاست بوسنیا و جدوجہد میں آ گئی ہے، جرمنی میں لاکھوں افراد مسلمان ہو گئے ہیں، برطانیہ، چاپان اور امریکہ میں ہر جگہ سے لوگوں کے قبول اسلام کی خبریں آ رہی ہیں۔ روم میں، جو اسلام دشمنی کا مرکز تھا، ایک عظیم الشان مسجد اور سٹرکھل گیا ہے۔ اچین میں مسلمان بڑھ رہے ہیں۔ غرب ایشیا میں بہت بڑا اسلامی مرکز بن گیا ہے۔ اب اچین کے ہر شہر میں مسلمان نظر آتے ہیں۔ غرض آج اسلام ہر جگہ پھیل رہا ہے۔ ہم ایک داعی امت ہیں، ہمیں اپنا منصب پہنچانا چاہئے اور اندر وہی اختلافات کو بھلا کر دعوت دین کے کام میں لگ جانا چاہئے۔

(بکر یہ ماہنامہ بزمِ قاکی، کراچی)

تفسیر کبیر اور اس کی خصوصیات

”مفاتیح الغیب“ یعنی تفسیر کبیر کا شمار تفسیر بالرائے کے طریقہ پر لکھی گئی اہم ترین تفاسیر میں ہوتا ہے۔ اس کی تصنیف چھٹی صدی ہجری کے نامور عالم اور متكلم امام محمد فخر الدین رازی (۵۵۳۲-۵۶۰۶) نے شروع کی لیکن اس کی تحریک سے قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ بعد میں اس کی تحریک، حاجی غلیقہ کی رائے کے مطابق قاضی شہاب الدین بن خلیل الخوی المدققی نے اور ابن جبری کی رائے کے مطابق شیخ جنم الدین ابن احمد بن محمد القوی نے کی۔ یہ بات بھی معین طور پر معلوم نہیں کہ تفسیر کا کتنا حصہ خود امام صاحب اللہ پائے تھے۔ ایک قول کے مطابق سورۃ الانبیاء تک جبکہ دوسرے قول کے مطابق سورۃ الفتح تک تفسیر امام صاحب کی اپنی لکھی ہوئی ہے (۱) تاہم اس معاطلے میں سب سے زیادہ تخفی بخش اور مدل نظر نظر الاستاذ عبد الرحمن المعلمنے اپنے مضمون ”حوالہ تفسیر الفخر الرازی“ میں اختیار کیا ہے۔ انہوں نے معبوطہ اعلیٰ شواہد سے ثابت کیا ہے کہ تفسیر کے درج ذیل حصے خود امام صاحب نے لکھے ہیں جبکہ باقی اجزاء الخوی یا القوی کے لکھے ہوئے ہیں:

- ۱۔ سورۃ الفتح سے سورۃ قصص تک
- ۲۔ سورۃ صافات سے سورۃ الحجۃ تک
- ۳۔ سورۃ حشر، مجادلہ اور حدیہ
- ۴۔ سورۃ ملک سے آخر قرآن تک (۲)

تفسیر کی خوبیاں

۱۔ جامعیت

تفسیر کبیر کی نمایاں ترین خصوصیت، جس کا اعتراف اکابر اہل علم نے کیا ہے، اس کی جامعیت ہے۔ (۳)

- ۱۔ محمد بن الذہبی: *التفیر والمسفر* ون، ج ۱، ص ۲۹۱۔ محمد تقی عثمانی: *علوم القرآن*، ص ۵۰۳
- ۲۔ فیض الدین اصلحی: *تفسیر کبیر اور اس کا تحریک، مشمول ایضاً مفاتیح القرآن*، ص ۲۳۸-۲۴۰

جس مسئلہ پر لکھتے ہیں، اس کے متعلق جس قدر مباحثت ان سے پہلے پیدا ہو چکے ہیں، ان سب کا استقصا کر دیتے ہیں۔ محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں:

”رازی کی تفسیر کو علاکے ہاں عام شہرت حاصلی ہے کیونکہ دوسری کتب تفسیر کے مقابلے میں اس کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں مختلف علوم سے متعلق وسیع اور بھرپور بحثیں ملی ہیں۔“ (۲)

علامہ انور شاہ صاحب کشیری فرماتے ہیں

”قرآن کریم کے مشکلات میں مجھے کوئی مشکل ایسی نہیں ملی جس سے امام رازی نے تعرض نہ کیا ہو، یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات مشکلات کا اس ایسا پیش نہیں کر سکے جس پر دل مطمئن ہو جائے۔“ (۳)

ہر آیت کی تفسیر میں امام صاحب کا طریقہ حسب ذیل ہے:

- ۱۔ آیت کی تفسیر، نحوی ترکیب، وجہ بااغت اور شان زدہ سے متعلق سلف کے تمام اقوال نہایت مرتب اور منضبط انداز میں پوری شرح ووضاحت سے بیان کرتے ہیں۔
- ۲۔ آیت سے متعلق فقیہی احکام کا ذکر تفصیلی دلائل سے کرتے ہیں اور امام شافعی کے مذهب کو ترجیح دیتے ہیں۔

۳۔ متعلقہ آیات کے تحت مختلف باطل فرقوں مثلاً جہیز، معزز، مجسروں اور کا استدلال تفصیل سے ذکر کر کے اس کی تردید کرتے ہیں۔

ان میں سے پہلے دو امور کا ذکر اگرچہ دوسرے اہل تفسیر بھی کرتے ہیں لیکن یہ ذخیرہ ان میں منتشر اور بکھرا ہوا ہے، جبکہ تفسیر کبیر میں یہ تمام مباحثت کیجاں جاتے ہیں۔ البتہ تیسرا امر کے اعتبار سے تفسیر کبیر اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر ہے۔

۲۔ ترجیح و محکمہ

امام صاحب نے اپنی تفسیر میں جمع اقوال پر اتفاق نہیں کی بلکہ دلائل کے ساتھ بعض اقوال کو ترجیح دینے کا طریقہ اختیار کیا ہے، جس سے تفسیر کے متعلقہ علوم و فنون میں ان کی دسترس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح تفسیر گویا سابقہ تفسیری ذخیرے پر ایک محکمہ کا درج رکھتی ہے۔

۳۔ الشیر والمشرون: ج ۱، ج ۲۹۳

۴۔ محمد یوسف بنوری: تجہیز: البيان مقدمہ مشکلات القرآن، ج ۱، ص ۲۳

مخفف تفسیری اقوال میں ترجیح قائم کرتے ہوئے امام صاحب بالعموم حسب ذیل اصول پر نظر رکھتے ہیں:

(۱) اگر کسی قول کی تائید میں صحیح حدیث موجود ہو تو اس کو ترجیح دیتے ہیں۔

وَنُفْخَ فِي الصُّورِ كَيْ تَفَسِيرٍ مِّنْ أَقْوَالِ الْأَنْفُسِ كَرْتَهُ مِنْ إِنْ هُنَّ بِإِيمَانٍ فِي أَنْفُسِهِنَّ وَلَا يَعْلَمُونَ
 جَاءَ كَيْ تَوَكِيدَ إِيمَانَ آذَانَ وَأَذْيَادَ آهُوْغِيْ جَسْ كَوْخَدَ وَنَدَتَعَالِيْ نَهَيَ دِنَيَا كَيْ بِرَبَادِيْ أَوْ رَاعَادِيْ أَمْوَاتَ كَيْ عَلَامَتَ قَرَارَدِيَا
 بِهِ - دُوْرَاهِيْ كَيْ يَنْظَرُ الْأَوَّلَوْهُ اَوْ صُورَةَ كَيْ جَمَعَ بِهِ - مَرَادِيْهُ بِهِ كَيْ جَبْ صُورَتُوْسِ مِنْ رُوحِ پَهْوَكِيْ جَاءَ
 كَيْ - تِمَرَادِيْهُ كَيْ إِيكَ استَعَارَهُ بِهِ - جَسْ كَمَقْصُدَ مَرَدُوْسِ كَا اَخْتَانَا اَوْ رَانِ كَوْجَعَ كَرَنَا بِهِ - اَمَامَ رَازِيَيْ نَهَيَ نَهَيَ
 اَقْوَالِ مِنْ سَبَلَ قَوْلِ كَوَاسْ بَنَآپَرَ تَرْجِيْحَ دِيْ بِهِ كَإِسَ كَيْ تَائِيدَ مِنْ رَسُولِ النَّبِيِّ كَيْ حدِيثَ مُوجَدَ بِهِ - (۵)

(۲) جو مفہوم عقل کے مطابق ہو، اس کو ارجح فرار دیتے ہیں۔

سورة نساء کی آیت حَسَنَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاجِدَةٌ وَحَقَّ مِنْهَا زُوْجَهَا کی تفسیر میں عام مفسرین کا
 خیال یہ ہے کہ حضرت حوالیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا اور اس کی تائید میں
 حدیث بھی موجود ہے لیکن امام رازی اب مسلم کی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں جن کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ
 ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کی جنس سے ان کی بیوی کو پیدا کیا۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ
 حضرت آدم علیہ السلام کوئی سے پیدا کر سکتے تھے، اسی طرح حضرت حوالیہ السلام کو بھی کر سکتے تھے، پھر ان کو
 حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کرنے میں کیا فائدہ؟ (۶)

ای طرح سورہ کہف میں ذوالقرینین کے قصہ میں ارشاد باری ہے:

حَسْنٌ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَحَدَّهَا
 يَهَا سَكَرْ كَجَبْ وَهَآتَابَ كَغَوْبَ ہُونَے
 كَمَقَامَ پَرْ پَنْجَا تو سَوْرَجَ كَوْكِبُزَ كَإِيكَ نَهَرَ مِنْ
 نَغْرُثُ فِي عَيْنِ حَبِيْبَةٍ
 ذُوبَتْ دِيْكَحاً - (۷)

اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ سورج در حقیقت کچھ میں ذوبتا ہے لیکن امام رازی کے نزدیک یہ تفسیر بالکل
خلاف عقل ہے کیونکہ سورج زمین سے کئی گناہوں اے اس لیے وہ زمین کی کسی نہر میں کیسے ذوب سکتا ہے؟ (۸)

۵۔ فخر الدین الرازی: *التفسیر الكبير*: ج ۲۲، ص ۲۲۰

۶۔ بالرجوع السابق: ج ۹، ص ۱۶۱

۷۔ سورۃ النساء، آیت ۱

۸۔ *التفسیر الكبير*: ج ۲۱، ص ۱۶۷

(۳) جب تک کسی لفظ کا حقیقی اور معروف معنی مراد یہا ممکن ہو، اس وقت تک اس کا مجازی یا غیر معروف معنی مراد نہیں لیتے۔

مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں وَقَارَ التَّشُوْرُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لفظ تشور کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد وہی تشور ہے جس میں روٹی پکائی جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اس سے مراد سطح زمین ہے۔ تیسرا یہ کہ اس سے مراد زمین کا بلند حصہ ہے۔ چوتھا یہ کہ اس سے مراد طلوع صبح ہے۔ پانچواں یہ کہ یہ محاورتا و اتفاق کی شدت کی تعبیر ہے۔ ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد امام رازی لکھتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ کام کو حقیقی معنی پر محصول کرنا چاہئے اور حقیقی معنی کے لحاظ سے تواریخ جگہ کہتے ہیں جہاں روٹی پکائی جاتی ہے۔ (۹)

اسی طرح وَمَنْ يَغْلِلْ يَأْتِ بِمَا غَلَلَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (جس نے مال غنیمت میں خیانت کی، وہ اس مال کے ساتھ قیامت کے دن حاضر ہو گا) کی تفسیر میں د قول نقل کرتے ہیں: ایک یہ کہ حقیقتاً ایسا ہی ہو گا۔ دوسرا یہ کہ اس تعبیر سے محض عذاب کی ختنی بیان کرنا مقصود ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ علم قرآن میں جو اصول معتبر ہے وہ یہ ہے کہ لفظ کو اس کے حقیقی معنی پر قائم رکھنا چاہئے الیہ کوئی اور دلیل اس سے مانع ہو۔ یہاں چونکہ ظاہری معنی مراد لینے میں کوئی مانع نہیں اس لیے اسی کو قائم رکھنا چاہئے۔ (۱۰)

(۴) اس قول کو مختار قرار دیتے ہیں جو کام کی خوبی ترکیب کی وجہ میں سے بہتر وجد کے مطابق ہو۔ سورہ بقرہ کی آیت وَلَكِنَ الشَّيَاطِينُ كَفَرُوا بِعِنْدَمُنِي النَّاسُ الْبَيْخَرُ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى اللَّهِ كُلِّي کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ ما اُنْزِل میں مانا فیہ ہے یا موصول، نیز اس کا عطف البیخر پر ہے یا ما تَسْلُمُ الشَّيَاطِينُ پر۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ ما کو موصول قرار دینا اور اس کا عطف البیخر پر کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ جو لفظ قریب ہے، اس پر عطف کرنا بعید لفظ پر عطف کرنے سے زیادہ م stitching ہے۔ (۱۱)

۳۔ آیات و سور میں باہمی ربط

امام رازی قرآن مجید میں نعم کے قابل ہیں اور اپنی تفسیر میں آیات اور سورتوں کا باہمی ربط نہایت اہتمام

۹۔ المرجع السابق: ج ۷، ص ۲۲۶

۱۰۔ المرجع السابق: ج ۹، ص ۷۳

۱۱۔ المرجع السابق: ج ۳، ص ۲۱۸

ہے بیان کرتے ہیں۔ اس حوالے سے انہوں نے جو کوششیں کی ہیں، ان کی اہمیت کے بارے میں دو رائے ہیں۔ مولا ناقی عثمانی کا خیال یہ ہے کہ

”آجتوں کے درمیان رابطہ و مناسبت کی جو وجد ہے بیان فرماتے ہیں وہ معموماً اتنی بے تکلف، دل نشین اور محقول ہوتی ہے کہ اس پر دل نہ صرف مطمئن ہو جاتا ہے بلکہ اس سے قرآن کریم کی عظمت کا غیر معمولی تاثر پیدا ہوتا ہے۔“ (۱۲)

جبکہ مولا نا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں کہ

”اس سلطے میں ان کی کوششیں کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہو سکیں کیونکہ علم قرآن کھونے کے لیے جو منہ درکار تھی، اس کے لیے ان کے جیسے مصروف مصنف کے پاس فرمٹ منقص تھی۔“ (۱۳)

تاہم اصولی طور پر امام رازی فہم کی رعایت پر نہایت شدت سے اصرار کرتے ہیں۔ چنانچہ سورہ حم اس بجہ کی آیت وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَغْجَبَيًّا لِّقَالُوا إِنَّا لَمُفْتَنُوا آیتُهُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے جواب میں اتری ہے جو از راہ شرارت یہ کہتے تھے کہ اگر قرآن مجید کی سمجھی زبان میں اتنا راجا توبہ تر ہوتا لیکن اس طرح کی باتیں کہنا میرے نزدیک کتاب اللہ پر بخت علم ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ قرآن کی آجتوں میں باہم دگر کوئی ربط تعلق نہیں ہے حالانکہ یہ کہنا قرآن حکیم پر بہت بڑا اعتراض کرنا ہے۔ اسکی صورت میں قرآن کو بغیرہ ماننا تو الگ رہا، اس کو ایک مرتب کتاب کہنا بھی مشکل ہے۔ میرے نزدیک سچی بات یہ ہے کہ یہ سورہ شروع سے لے کر آخر تک ایک مریبو ط کلام ہے۔

نفس اوفی سبب نزول هذه الآية ان الكفار لا حل التعتد قالوا و نزل القرآن بلغة العجم فنزلت هذه الآية وعندى ان امثال هذه الكلمات فيها حيف عظيم على القرآن لانه يقتضى ورود آيات لا تعلق للبعض فيها بالبعض . وانه يوجب اعظم انواع الطعن فكيف يتم مع التزام مثل هذا الطعن ادعاء كونه كتابا متنظما فصلا عن ادعاء كونه معجزا؟ بل الحق عندى ان هذه السورة من اولها الى آخرها كلام واحد

۱۲۔ علوم القرآن: ص ۵۰۲

۱۳۔ امین احسن اصلاحی: مبادی تدریس قرآن، ص ۱۹۷

اس کے بعد اس آیت کی تفسیر لکھ کر فرماتے ہیں:

ہر منصف جو ان کا رحم کاغادی نہیں ہے، حسیم کرے
گا کہ اگر سورہ کی تفسیر اس طرح کی جائے جس
طرح ہم نے کی ہے تو پوری سورہ ایک ہی مضمون
کی حالت نظر آئے گی اور اس کی تمام آیتیں ایک
ی حقیقت کی طرف اشارہ کریں گی۔ (۱۳)

وَكُلُّ مَنْ أَنْصَفَ وَلَمْ يَعْسُفْ عَلَمْ أَنَا
إِذَا فَسَرْنَا هَذِهِ الْآيَةَ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي
ذَكَرْنَا صَارَتْ هَذِهِ السُّورَةُ مِنْ أَوْلَاهَا
إِلَى آخِرِهَا كَلَامًا وَاحِدًا مُسْتَظْهِمًا
مُسْوِقًا نَحْوَ غَرْضٍ وَاحِدًا

۲۔ عقلی انداز

امام رازیؒ اپنے زمانے کے عقلي اور فلسفیان علوم کے بلند پایے عالم تھے۔ مسلمانوں کے مابین پیدا ہوئے کامی اختلافات اور ان کی مذہبی و عقلي بینادوں پر ان کی گہری نظر تھی اور اسلام کے عقلي مسائل پر یعنی فلسفے کے ذریعہ پیدا ہونے والے اعتراضات سے بھی وہ پوری طرح آگاہ تھے۔ چنانچہ قدرتی طور پر ان تفسیر پر عقلی رنگ غالب ہے اور ان کی بحثوں میں ان تمام علوم کی بھرپور جملک دکھائی دیتی ہے جن کے مطابع
سوق امام صاحب کو پیسر آیا تھا۔ تفسیر کبیر میں اس عقلي ذوق کا اظہار حسب ذیل صورتوں میں ہوا ہے:

اسلامی عقائد کی براہین و دلائل سے تائید

امام صاحبؒ نہ صرف اسلامی عقائد کا دفاع بڑی حیثیت اور جوش سے کرتے ہیں بلکہ اس سلسلے میں
معذرت خواہاں رویہ کی بھی مدد کرتے ہیں۔ سورہ سا کی آیت ۱۲ میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت
سليمان عليه السلام کے لیے ہوا اور جنات کو سخر کر دیا۔ بعض لوگوں نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ ہوا سے مراد
تیز رفتار گھوڑے اور جنات سے مراد طاقت و رسانان ہیں۔ امام رازیؒ یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں:

یہ بات بالکل غلط ہے۔ کہنے والے نے اس لیے
کہی ہے کہ اس کا عقائد کمزور ہے اور اسے اللہ کی
قدرت پر اعتقاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ممکن پر قادر
ہیں اور یہ باتیں بھی ممکنات میں سے ہیں۔ (۱۵)

وَهَذَا كَلِه فَاسِد حَمْلَه عَلَى هَذَا
ضَعْفُ اعْتِقَادِه وَعَدَمِ اعْتِصَادِه عَلَى
قُدْرَةِ اللَّهِ وَاللَّهُ قَادِرٌ عَلَى كُلِّ مُمْكِنٍ
وَهَذِهِ اشْيَاء مُمْكِنَةٌ

۱۴۔ تفسیر الکبیر: ج ۲۷، ص ۱۳۳

۱۵۔ نفس المصدر: ج ۲۵، ص ۲۲۷

اسلامی فرقوں کے کلامی جھگٹی
کا ای اختلافات امام صاحبؒ کی دلچسپی کا خاص موضوع ہے اور وہ موقع بحوق معتبر لہ اور اشاعرہ کے
مابین نزاعی مسائل پر بحثیں کرتے ہیں۔ امام صاحبؒ اشاعرہ کے گرم جوش تر جہان ہیں اور، جیسا کہ ہم آگے
عرض کریں گے، ان کی حمایت میں حدود سے تجاوز بھی کر جاتے ہیں۔

دینی حقائق کی عقلی تعییر

امام صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی آیات جن میں ماوراءِ اعقل حقائق کا اظہار کیا گیا ہو، عام طریقے
سے ان کی تفسیر کرنے کے بعد ان کی فلسفیانہ تبیر بھی پیش کرتے ہیں۔

ملحدین کے اعتراضات کے جوابات

تفسیر کبیر میں قرآنی مضامین پر ملحدین کے اعتراضات سے بکثرت تعریض کیا گیا ہے۔ ان کے جواب
میں امام صاحب یا تو مناظرانہ انداز میں ان کی تردید کرتے ہیں یا آیات کی توجیہ و تاویل کر کے ان کا صحیح منہج
 واضح کرتے ہیں۔

احکام شریعت کے اسرار

تفسیر کبیر میں بہت سے مقامات پر شرعی احکام کے اسرار اور ان کی حکمتیں بھی زیر بحث آئی ہیں۔ کتاب
کے عمومی مزاج کے تحت ان کی توضیح میں بھی فلسفیانہ ذوق غالب ہے۔

۵۔ اسرائیلیات سے متعلق محتاط رؤیہ

تفسیر بالروایت کے طریقے پر کمی گئی کتب تفسیر میں ایک بڑا حصہ اسرائیلی روایات کا ہے۔ قرآن مجید
میں امام سالقہ یا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے جن واقعات و احوال کا اجمالاً تذکرہ ہوا ہے، ان کی تفصیلات مہیا
کرنے کے شوق میں غیر مختص مفسرین نے بے سرو پار روایات کا ایک انبار لگادیا ہے۔ یہ روایات باعثوم روایت
کے معیار کے لحاظ سے ناقابل استناد اور عقل و درایت کے اعتبار سے بالکل بے تکی ہیں۔ اسی لیے محقق مفسرین
نے ان کو اپنی تفسیروں میں جگہ دینے سے گریز کیا ہے۔ امام رازیؒ کا طریقہ بھی اس طبقے میں احتیاط پر ہے۔

اسرائیلی روایات، درحقیقت، دو طرح کی ہیں:

بعض ایسی ہیں کہ ان میں وارد تفصیلات قرآن و سنت کے مسلمات سے تو نہیں بلکہ اتنیں لیکن فہم قرآن
کے حوالے سے ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ایسی صورت میں امام رازیؒ ان کو نقل تو کرتے ہیں لیکن ان کی

تردید یا تائید کیے بغیر یہ کہہ کر گزر جاتے ہیں کہ ان سے اعتنا کرنا ایک بے کار کام ہے کیونکہ یہ تفسیر کے اصل مقصد کے لحاظ سے کاراً مذمیں ہیں۔

مشائخ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں جس درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا، اس کی تعمین میں تفسیری روایات مختلف ہیں۔ بعض کے مطابق یہ گہوں کا درخت تھا، بعض کے نزدیک انگور اور بعض کے ہاں انجیر کا۔ امام رازیؑ ان روایات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے ظاہر الفاظ سے اس درخت کی تعمین نہیں ہوتی اس لیے ہم کو بھی اس تعمین کی ضرورت نہیں کیونکہ اس قصہ کا مقصد نہیں ہے کہ ہم کو متعین طور پر اس درخت کا علم ہو۔ جو چیز کام کا اصل مقصود نہیں ہوتی، اس کی توضیح بعض اوقات غیر ضروری ہوتی ہے۔ (۱۶)

قرآن مجید میں مذکور قیامت کی علامات میں ایک علامت 'دلبۃ الارض' کا نکانا بھی ہے۔ مفسرین نے اس جانور کے جنم، اس کی خلقت اور اس کے نکلنے کے طریقے کے متعلق بے شمار روایات اکٹھی کی ہیں، لیکن امام رازیؑ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید سے ان میں سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی اس لیے اگر ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث مروی ہو تو وہ قبول کر لی جائے گی ورنہ وہ تاقابل التفات قرار پائے گی۔ (۱۷) اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی ساخت اور اس کی لمبائی چوڑائی کے متعلق مختلف تفسیری اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں:

"اس قسم کی بھیں مجھے اپنی نہیں لگتیں کیونکہ ان کا علم غیر ضروری ہے اور اس سے کوئی فائدہ نہیں اور ان میں غور و مکر کرنا ضروری ہے، بالخصوص اُسی حالت میں جبکہ ہم کو یقین ہے کہ اس جگہ کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو صحیح جانب پر دلالت کرے۔" (۱۸)

دوسری قسم ان روایات کی ہے جو قرآن و سنت کے مسلمات کے صریح معارض اور ان کی بخیاد کوڑا حادیہ والی ہیں۔ اسکی روایات بالعموم بعض انبیاء سا بقین کے واقعات کے تحت نقل ہوئی ہیں۔ تمام محقق مفسرین نے ان کی تردید کی ہے، چنانچہ امام رازیؑ نے بھی حسب ذیل روایات کو بے اصل قرار دیا ہے:

۱۔ واقعہ ہاروت و ماروت کے شمن میں مروی روایات جن کے مطابق یہ دونوں فرشتے تھے جو زمین پر

۱۶۔ نفس المصدر: ج ۳، ص ۵

۱۷۔ نفس المصدر: ج ۲۲، ص ۲۱۸

۱۸۔ نفس المصدر: ج ۱، ص ۲۲۲

بھی گئے اور ایک عورت کے ساتھ بدکاری کی خواہش میں بت پرستی، شراب نوشی اور قتل کے مرتكب ہوئے۔
(۱۹)

۲۔ سورہ اعراف کی آیت ۲۳ کے الفاظ فَسَمَا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَهُ شُرًّا كَاءِ فِي مَا آتَاهُمَا کے تحت مروی روایت جس میں ذکر ہے کہ اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہ السلام کا ذکر ہے جنہوں نے انبیاء کے دروغانے میں آ کر اپنے بیٹے کا نام عبد الحارث رکھ دیا۔ (۲۰)

۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں مروی روایت جس کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام آمادہ گناہ ہو گئے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا جنہوں نے ان کو دھکیل کر بنیا اور وہ بالکل ناکارہ ہو گئے۔ (۲۱)

۴۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کے تحت مروی روایات جن کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام اور یا کی بیوی پر فریقت ہو گئے اور اس کے خاوند کو قتل کراکے اس سے نکاح کر لیا۔ (۲۲)

تفسیر کبیر پر اعتراضات

اپنی تمام ترقاویت اور خوبیوں کے باوجود تفسیر کبیر خامیوں سے پاک نہیں۔ ہم ذیل میں ان چند امور کا ذکر کرتے ہیں جن پر اہل علم نے اعتراض کیا ہے۔

۱۔ غیر متعلق مباحثت کی کثرت

تفسیر کبیر کے ایسے عقلی مباحث جن سے منصوصات کی تائید یا ان کی تفہیم میں مدد ملتی ہے، ان کی تمام منصف مراجح اہل علم نے قدر کی ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ اس تفسیر میں ایک بڑا ذخیرہ ایسے فتنی مباحث کا بھی ہے جن کا قرآن کی تاویل و تشریع سے کوئی تعلق نہیں اور جنہیں امام صاحبؒ نے محض اپنے عقلی ذوق کی تشفی کے لیے تفسیر کا حصہ ہنا دیا ہے۔ محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں:

۱۹۔ نفس المصدر: ج ۳، بیس ۲۱۹

۲۰۔ نفس المصدر: ج ۱۳، بیس ۸۶

۲۱۔ نفس المصدر: ج ۱۸، بیس ۱۳۰

۲۲۔ نفس المصدر: ج ۲۲، بیس ۱۹۲

”تفسیر دیکھنے سے ظاہر ہے کہ امام رازی کو زیادہ سے زیادہ لکھتے استنباط کرنے اور دائرۃ المنکوں کو دفعہ سے دفعہ ز کرنے کا از جد شوق ہے۔ قرآن کے الفاظ سے کسی موضوع کا ذرا بھی تعلق نظر آئے تو وہ اس کو دائرۃ بحث میں آتے اور اس سے متعلق نکات استنباط نہیں شروع کر دیتے ہیں۔“ (۲۳)

تفسیر مقدمہ میں خوفزدہ تیرتے ہیں کہ ایک اندان کی زبان سے یہ بات نکلی کہ سورہ فاتحہ سے دس ہزار فوائد اور نکات استنباط دیے جاسکتے ہیں لیکن بعض لوگوں نے اس کو ناممکن قرار دیا۔ چنانچہ میں نے اس بات کو ممکن انصدمان ثابت کرنے کے لیے فاتحہ تفسیر میں اس قدر طویل سے کام لیا ہے۔ (۲۴) چنانچہ تفسیر کبیر میں سورہ فاتحہ کی تفسیر کی ۲۹۰ صفحات کو محیط ہے۔ اس ذوق کا تجیہ یہ ہے کہ کتاب کا ایک بہت بڑا حصہ ریاضی، طبیعیات، میتیت، فلکیات، فلسفہ اور علم کلام کے طویل مباحثتی نذر کر دیا گیا ہے۔ تفسیر کبیر کا یہ پہلو غائب اب تہام اہل علم کی نظروں میں کھلا ہے اور اس حوالے سے اس پر تنقید کی گئی ہے۔ سیوطی لکھتے ہیں:

”صاحب علوم عقلیہ بالخصوص امام رازی نے اپنی تفسیر کو عکھا، فلا، مذا اور اور ان جیسے لوگوں کے اقوال سے بھروسہ دیا اور ایک چیز کو پھوڑ کر دسری چیز کی طرف اس طرح نکل گئے کہ دیکھنے والا تجہب کرتا ہے کہ آتت کے موقع و محل سے اس کو کیا مطابقت ہے؟ ابوحنیفہ بن حنبل میں لکھتے ہیں کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں بہت سی طویل چیزوں کو تجہب کر دیا ہے، جن کی ضرورت علم تفسیر میں نہیں اسی لیے بعض ملائے کہا ہے کہ تفسیر کبیر میں ہر چیز ہے، صرف ایک تفسیر نہیں ہے۔“ (۲۵)

الدكتور محمد حسین ذہبی ہمیں اس کی تائید کرتے ہیں:

”خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس کتاب کو علم کلام اور طبیعی دو کائناتی علوم کا انسانی کلکو پیڈیا کہنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ پہلو اس پر اس قدر غائب ہے کہ اس کی تفسیر ہونے کی دشیت دب کر دی گئی ہے۔“ (۲۶)

۲۔ متكلمانہ جانبداری

تفسیر کبیر پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس میں امام صاحبؒ نے کافی جھلکوں کے حوالے سے ایک خاص

۲۳۔ التفسیر والمحض ون: ج ۱، بیس ۲۹۶

۲۴۔ التفسیر الکبیر: ج ۱، بیس ۳

۲۵۔ جمال الدین ایموجی: الاتقان، ج ۲، بیس ۱۹۰

۲۶۔ التفسیر والمحض ون: ج ۱، بیس ۲۹۵

ظہر نظر کی وکالت کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں مولانا تائین احسن اصلاحیؒ کی رائے حسب ذیل ہے:

”مسلمانوں کا تعلق جب بھی قوموں سے ہوا اور ان کے علوم اور ان کے فلسفے سے ان کو سابقہ پڑا تو دونی میں اسکے پر اپنے کادہ انداز فکر و جدوجہد میں آیا جس کو ہم کلام کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس علم کلام نے بھی ہمارے اندر مختلف کتب خیال پیدا کیے اور ان میں سے ہر کتب خیال کے لوگوں نے اپنے مخصوص انکار و نظریات کو مسلمانوں میں مقبول ہنانے کے لیے قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں۔ ان تفسیروں کا مقصود درحقیقت قرآن مجید کی تفسیر لکھنے سے زیادہ ان انکار و نظریات کے داخل قرآن مجید جوان تفسیروں کے لکھنے والوں نے اپنے متكلمان طرز فکر سے پیدا کیے ہے۔ اس طرز پر ہمارے ہاں جو تفسیریں لکھی گئیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور اور اہمیت رکھنے والی تفسیریں دو ہیں: ایک علامہ رضا خنزیری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کشاف اور دوسری امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر۔ ان میں سے مقدم الذکر مختصر کے کتب خیال کے ترجمان ہیں اور موثر الذکر اپنی تفسیر میں ہر جگہ اشاعتہ کے نظریات کی وکالت کرتے ہیں۔“ (۲۷)

اشاعتیت کی حمایت میں امام رازیؒ کے اس غلوکی شکایت علامہ شبیل نعماںؒ نے بھی کی ہے:

”امام صاحب نے علم کلام کی بنیاد اشاعت کے عقائد پر قائم کی اور اس سینہ زوری سے اس کی حمایت کی کہ اشاعت کے جو مسائل تاویل کے بخواج تھے، ان میں تاویل کا سہارا بھی تردکھا اور پھر ان کی صحت پر سینکڑوں دلیلیں قائم کیں۔ مثلاً اشاعتہ اس بات کے قائل تھے کہ انسان اپنے انفال پر قدرت موڑنے پر رکھتا ہے، جس سے پچھے کے لیے انہوں نے کہ کا پر دہ لگا کر کھاتا۔ امام صاحب نے یہ پر دہ بھی اختدیا اور صاف صاف جر کا دھوکی کیا۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں جا بجا اس دھوکے کی تصریح کی ہے اور اس پر دلیلیں قائم کی ہیں۔ اسی طرح خدا کے انفال کا بغیر کسی مصلحت و حکمت کے ہونا، جس وحی کا عقلی نہ ہونا، زندگی کے لیے جسم کا مشروطہ ہونا، دیکھنے کے لیے اون و جسم و جہت کا مشروطہ ہونا، کسی شے میں کسی خاصیت کا نہ ہونا، اشیاء میں سبب و سبب کا سلسلہ نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام مسائل پر سینکڑوں دلیلیں قائم کیں اور انہی مسائل کو اعتراض اور سینیت کا معیار قرار دیا چنانچہ ان کی تمام کتب کلامیہ اور تفسیر کبیر انہی مباحثت سے بھری ہے۔“ (۲۸)

ایک مثال سے امام رازیؒ کے اس طرز فکر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

امام رازیؒ اور تمام اشاعتہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو تکلیف مالا یطاق دیتا ہے یعنی ان

۲۷۔ مبادی مذہب قرآن ص ۱۸۵

۲۸۔ شبیل نعماں: الکلام، ص ۶۳

پر ایسا بوجوہ ذات ہے جس کو مخانے کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔ اس پر انہوں نے اپنی تفسیر میں مختلف آیات کے ذیل میں متعدد دلیلیں بیان کی ہیں۔ لیکن سورہ بقرہ کی آخری آیت واضح طور پر ان کے اس مسلک کی تردید کرتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

اللَّهُ تَعَالَى كَسَى اَنْسَانٍ بِإِنْسَانٍ كَسَى اَنْسَانٍ بِإِنْسَانٍ
بِإِنْسَانٍ بِإِنْسَانٍ بِإِنْسَانٍ

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

بِإِنْسَانٍ بِإِنْسَانٍ

بِإِنْسَانٍ بِإِنْسَانٍ

اس آیت کی تفسیر میں انہوں نے متعدد تاویلات سے آیت کے واضح مفہوم کو پڑھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ان کی کمزوری کو محسوں کرتے ہوئے دوسری جگہ ایک عجیب دلیل دیتے ہوئے آیت کے ظاہری مفہوم کو رد کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

جب ایک مسلم اپنی جگہ پر قطعی یقینی ہو تو اس کے
ہمارے میں تخفی اور کمزور دلائل کی بنا پر کچھ کہنا
ناجائز ہے۔ مثلاً لا یکلف اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا
وَسَعَهَا کَمَّ تَعْلَمَ قطعی دلائل سے ثابت ہو چکا
ہے کہ اس کی تسمیہ تکلیف الایران اللَّهُ تَعَالَى اپنے
بندوں کو دیتا ہے۔ ہم اس آیت کی تفسیر کے ذیل
میں اس کی تائید میں پانچ نہایت محکم دلیلیں لکھ
چکے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ اس سے اللَّهُ تَعَالَى کی
مراد وہ نہیں ہو سکتی جو ظاہر آیت سے معلوم ہوتی
ہے۔ (۲۹)

وَإِذَا كَانَتِ الْمُسْأَلَةُ قَطْعِيَّةً يَقِينِيَّةً كَانَ
الْفَوْلُ فِيهَا بِالدَّلَالَاتِ الظَّنِيَّةِ الْعَسِيْفَةِ
غَيْرُ جَائِزٍ۔ مَثَلًا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى "لَا
يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا" قَامَ
الدَّلِيلُ الْقَاطِعُ عَلَى أَنَّ مَثَلَ هَذَا
الْتَّكْلِيفَ قَدْ وَجَدَ عَلَى مَا بَيْنَ
بَالْبَرَاهِينِ الْحَمْسَةَ فِي تَفْسِيرِ هَذِهِ
الآيَةِ فَعَلِمْنَا أَنَّ الْمَرَادُ لِلَّهِ تَعَالَى لَيْسَ
مَا يَدْلِلُ عَلَيْهِ ظَاهِرُ الْآيَةِ

۳۔ اہل السنۃ کی کمزور ترجمانی

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ تفسیر کبیر میں باطل فرقوں کا استدلال تو نہایت بھرپور طریقے سے پیش کیا گیا ہے لیکن اس کے مقابلے میں اہل سنۃ کی ترجمانی کمزور طریقے سے کمی ہے۔ این جگہ لکھتے ہیں:

"ان پر یا امتراض ہے کہ تو یہ شہادات عیش کرتے ہیں لیکن ان کا تعلیم عیش جواب دینے سے عاجز رہ جاتے ہیں"

پناہ مغرب کے بعض مسلمانے کیا کہ ان کے اعتراضات نقصہ ہوتے ہیں اور جواب ادھار۔ شیخ سران الدین ان پر خت اعتراض کرتے اور کہتے ہے کہ دین کے خالصین کے اعتراضات تو نہایت قوت اور زور سے بیان کرتے ہیں لیکن اہل مت کی تربیتی نہایت کمزور طریقے سے کرتے ہیں۔” (۲۰)

مخالف کے استدلال کو پوری قوت سے پیش کرنے کی عادت کا خود امام رازیؒ نے بھی اعتراف کیا ہے۔ نہایت احتکار کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ ”مخالف کے استدلال کو اس عمدگی سے پیش کریں گے کہ اگر مخالف خود بھی چاہے تو اس سے اچھے طریقے سے پیش نہ کر سکے گا۔“ (۲۱)

۲۰۔ الفیر و المفر و نجاح اہل مسیح

۲۱۔ المرجع السابق

مولانا محمد عسکری منصوری کی

تألیفات

- ☆ بر صغیر کے دینی مدارک (نسب و نظام کا ایک جائزہ)
- ☆ مغرب اور عالم اسلام کی فکری و تہذیبی کلکشن
- ☆ الحاج فضل کریم کی تبلیغی تقریریں
- ☆ مقالات منصوری (جلد اول) زیر طبع
- ☆ مولانا سعید احمد خانؒ (محضیت، احوال اور خدمات)

ہٹر

ورلد لائمس فورم، لندن

پاکستان میں ٹینے کا پا

الفریدہ لسکاڈ جو

پوسٹ بکس 331، گوجرانوالہ

امریکی اکسپوٹر کی نئی جہتیں

جمهوریت کے مسلم اصولوں کے مطابق حقیقی جمہوریت اپوزیشن کی موجودگی سے مشروط ہے۔ کیونکہ ممالک پر اسی حوالے سے تغیریت ہوتی رہی ہے کہ ان کے ہاں اپوزیشن مخفود ہے کیونکہ ان کے ہاں کیونکہ پارٹی کے علاوہ کسی دوسری پارٹی کو سیاسی عمل میں شریک نہیں کیا جاتا لہذا حقیقی جمہوریت کے لیے کم از کم دو جماعتی نظام نہایت ضروری ہے۔

دوسری بھی غلظتیم کے بعد سرد جنگ کے دوران میں اور تاحال امریکہ جمہوریت اور سرمایہ دارانہ نظام کا سرخیل ہے اور وہاں دو جماعتی نظام رائج ہے۔ برطانیہ میں بھی دو جماعتی نظام رائج ہے لیکن ایسا نہیں کہ دوسری جماعت تقریباً برائے نام یا غیر موثق ہو، کیونکہ اس طرح بھی جمہوری پرسٹ پیدا نہیں ہوتی۔ دونوں جماعتوں، جو حزب انتشار اور حزب اختلاف کے طور پر ابھریں، متوازنی طور پر موثق اور مضبوط ہونی چاہئیں۔ امریکہ اور برطانیہ میں بھی صورت حال ہے۔

سرد جنگ کے دوران میں کیونکہ رائٹرز یک جماعتی نظام کے دفاع میں اور اپنے نظام میں جمہوری قدریوں کی موجودگی کے حوالے سے یہ دلیل دیتے رہے ہیں کہ ان کی جماعت میں جمہوریت ہے۔ اگرچہ مرکزیت ہے لیکن اسے بھی جمہوری بنایا گیا ہے۔ اس کے لیے ایک اصطلاح "جمہوری مرکزیت" (Democratic centralization) بہت معروف رہی ہے۔ کیونکہ علمبردار دوسری جماعت کی موجودگی کو خواہش مند تھے اور جمہوری مرکزیت اور ذاتی املاک کی عدم موجودگی کو پوری دنیا میں پھیلانے کے خواہش مند تھے۔ سابقہ سودویت بلاک کی امریکہ کے خلاف محاذ آرائی، کیونکہ نظریے سے بھی کرتی تھی کیونکہ وہ اپنے نظام کے پھیلاؤ کے دوران میں اور پھیلاؤ کے بعد عالمی سطح پر کسی دوسری جماعت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اگر سرد جنگ کا فصل کیونکہ ممالک کے حق میں ہوتا تو نتیجتاً پیدا

ہونے والا یک قطبی نظام (Uni-polar system) ان کے نظریے کا میں ہوتا۔ لیکن سر دھنگ میں جیت امریکہ کی ہوئی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ امریکہ اپنے جمہوری اصولوں کے مطابق عالمی سٹھ پر بھی ایک دوسری جماعت کو برداشت کرتا اور خیال کرتا کہ عالمی سٹھ پر جمہوری عمل جاری ہے کیونکہ دو موثر جماعتوں عالمی سٹھ پر موجود ہیں لیکن امریکہ نے سابق سودویت یونین باک کے خلاف کام کرتے ہوئے ایک طرح سے غیر جمہوری عمل اختیار کیا۔ دل چھپ بات یہ ہے کہ اس عمل کے دوران میں امریکہ جمہوریت اور آزادیوں کے پھیلاؤ کا پر اپیلانڈا کرتا رہا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ امریکہ اپنے ملک کے اندر جمہوریت کے قیم اور کامیابی کے لیے تو اپوزیشن کو ضروری خیال کرتا ہے لیکن یہی امریکہ جب اپنی جغرافیائی حدود سے باہر آتا ہے اور اپنے اسی نظام کو پوری دنیا میں پھیلانے کے لیے جتن کرتا ہے تو اس کی اپروچ عملاً کیونٹ ہو جاتی ہے، وہی کیونزم جس کے پھیلاؤ سے امریکہ اس لیے خوفزدہ تھا کہ وہ جمہوری قدر دوں کا حامل نہیں۔ (امریکہ کی طرف سے اب بھی جمیں پر تنقید ہوتی رہتی ہے) امریکی سیاسی فکر کے مطابق تو سابق سودویت یونین کا وجود بھی بطور اپوزیشن رہنا چاہئے تھا لیکن امریکیوں نے اسے ختم کر کے دم لیا۔

اب صورت حال اس طرح سے ہے کہ اپنے ملک سے باہر امریکی اپروچ کیونٹ ڈھپ پر ہے۔ کسی بھی اپوزیشن کو برداشت کرنے کے موڑ میں نہیں کیونکہ ان کا "نظام" اس کی اجازت نہیں دیتا۔ جس طرح کیونٹ ممالک اپنی جغرافیائی حدود میں معاشری وسائل کو "مرکز" کرنے کی پالیسی پر عمل پر اتھے، عالمی سٹھ پر بھی طرز امریکہ نے اختیار کی ہے۔ امریکہ نے پوری دنیا کے معاشری وسائل سرف اپنے ہاں مرکز کرنے کی پالیسی اپنارکھی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ امریکہ عالمی سٹھ پر "کیونٹ" بن کر اپنراہے۔ دنیا کو جو خوف کیونٹ ممالک سے تھا اور جس میں بہت زیادہ تخفیف سابق سودویت یونین کے نئے سے ہوئی تھی، وہاں امریکہ کی صورت میں پوری دنیا کا مندرجہ اربا ہے۔

امریکہ نے کیونٹ پارٹی کی طرز پر ہی اپنی آمربیت کو چھانے کے لیے ایک طرح سے "جمہوری مرکزیت" کا لادہ اور رکھا ہے تا کہ جمہوریت پسندوں کو مطمئن کیا جاسکے۔ اقوام متحدہ اور دیگر عالمی اداروں میں دنیا کی بے چارگی سے کون واقف نہیں؟ اسی طرح کیونٹ ممالک میں عوام اور پارٹی کا رکنوں کی بے چارگی سے کون واقف نہیں تھا، اگرچہ ہندو راجہ جمہوری مرکزیت کا چیلہ جاتا تھا۔ ایک جگہ امریکہ جماعتی نظام کی خامیاں تھیں تو دوسری جگہ یک قطبی نظام کا عفریت من کھولے کھڑا ہے۔ آئندنیا کو کسی "پر گور بآپوٹ" کی ضرورت ہے۔ ایک اور نئی قابل غور ہے۔ اگر امریکی روایہ اپنے ملک سے باہر اپنے نظریے کا مغلوب ثابت ہوا

ہے تو اس کا بھی امکان تھا کہ سابق سودیت یونین کا اپنے ملک۔ سے باہر، عالمی سطح پر روکی کیونٹ نظر یے کا معکوس ہوتا اور دنیا کیک قطبی نظام کا شکار تھا ہوتی لیکن اس حوالے سے یہ، تے یعنی سے بات کرنا باہر حال مشکل ہے۔ تاہم صورت حال میں آنے والی حالیہ تبدیلوں کے نتیجے میں خود امریکہ کے اندر سے، امریکی عوام کی آواز کی صورت میں ایک "پر گور باچوف" کا تبلیغ و شروع ہو گیا ہے۔ اب امریکہ کے لیے ممکن نہیں رہے گا کہ وہ اپنی موجودہ روش کو برقرار رکھ سکے۔ امریکہ کو اپنے آمرانہ رحمات کو Politicize کرنا ہو گا تاکہ یہ قطبی نظام کا ہاتھ رکھ سکے اور باہر اپوزیشن کی موجودگی کا احساس قائم ہو سکے۔ عالمی سطح پر امریکی آمریت کی سیاسی میست (Politicization) امریکہ کے داخلی نظام میں تبدیلوں کے بغیر ممکن نہیں ہوگی۔ امریکی تبدیلوں کی نفع کا تعین کرنے میں درجن ذیل امور کلیدی کروارادا کریں گے:

۱۔ صدارتی ایکشن کے دوران میں بیش اور الگور کے مابین جو پکھھ ہوا، کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ امریکہ کی عالمی سطح پر بکی ہوتی۔ امریکی صدارتی اختیارات کو بڑا راست اور زیادہ شفاف کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے کیونکہ جمہوریت کے حاوی کہتے ہیں کہ اگر جمہوریت میں کوئی نقص ظاہر ہو تو اس کا حل مزید جمہوریت ہے۔ مزید جمہوریت کے اس اصول کو امریکہ کے داخلی معاملات کی حد تک صدارتی ایکشن سے لے کر کسی بھی دستوری اوارے نکل بڑھایا جا سکتا ہے۔

۲۔ اس اصول کے اپنائے جانے کے بعد بھرپور پر اپیگنڈا کیا جائے گا کہ دیکھنے ہم نے عوام کی آزادیوں کو دعوت پختی ہے۔ اسی طرح صرف لفظوں کی حد تک اعادہ کیا جائے گا کہ ہم یہ آزادیاں پوری دنیا کے انسانوں تک پھیلانا چاہتے ہیں۔

۳۔ زیادہ آزادیوں (More Liberties) کے اسی نظرے کے تحت امریکی وفاق میں چند ایسی تبدیلوں کی جاسکتی ہیں جن سے امریکہ کی وحدت اندر وطنی اعتبار سے نوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہو لیکن اس کی خارجی میست یورپی یونین کی طرز پر استوار ہو۔

۴۔ حالیہ جنگ کے دوران میں اور جنگ کے بعد امریکہ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ نیا دور علاقوںی اتحاد (Regional integration) کا دور ہے۔ یورپی یونین اس جنگ سے جو شرات سنبھلے گی، وہ امریکہ کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہو گا۔ اس علاقائی اتحاد کی پختگی تسلی یورپی ہماراں جنگ میں شامل ہونے یا نہ ہونے کا آپشن رکھیں گے کیونکہ ان میں سے چند ہماراں ان کی نمائندگی کرنے کے لیے کسی نہ کسی حوالے سے جنگ میں موجود ہیں گے۔ امریکہ "ذبشت گردی" کے نام پر تمام یورپ کو بائی جیک نہیں کر سکے

ہا۔ اس طرح جگ کے زیادہ منفی اثرات یورپ پر نہیں پڑ سکتیں گے۔ اگر بالفرض جگ کے اخراجات کی بابت بات چلے گی تو ہو سکتا ہے کہ یورپی یونین تقاضا کرنے کے اسے ایک "وحدت" کے طور پر ڈیل کیا جائے یعنی جو حصہ کسی ریاست کے حصے میں آتا ہے، اتنا حصہ ہی سارا یورپ ادا کرے گا۔ بہر حال علاقوں کی اتحاد کا پلیٹ فارم یورپی ممالک کو بہتر سودے بازی کی پوزیشن میں رکھے گا۔ یورپی یونین کے نظام کی اسی نوع کی افادیت کے پیش نظر امریکہ کے لیے ناگزیر ہو جائے گا کہ آنے والے دنوں کے تقاضوں کے مطابق اپنے نظام میں ہمیشہ (Structural) تبدیلیاں کرے۔ یہ تبدیلیاں سیاسی اور دستوری نوعیت کی ہو سکتی ہیں۔ وفاق کو اس حد تک یا مرکزگری کیا جاسکتا ہے جیسے امریکی دستور کے ذرا فث کے مطابق تھا کیونکہ آغاز میں امریکی وفاق کا مرکز بہت مضبوط نہیں تھا۔ حالات کے تقاضوں اور امریکی پریمیوم کو رٹ کے فیصلوں سے مرکز بدرچح مضبوط ہوتا گیا۔ اسی طرح اب ایک ملکوں میں شروع ہو سکتا ہے۔ اس میں مضمون خزاںوں کے پیش نظر سیاسی جماعتوں کو زیادہ منتظم اور مضبوط کیا جائے گا تاکہ دستور میں مرکزگریز رجحان کے باوجود سیاسی اعتبار سے امریکہ ایک وحدت رہے اور ثبوت پھوٹ کا شکار نہ ہو۔ یہ کام منتظم سیاسی جماعتوں ہی کر سکتی ہیں۔ ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ مستقبل کی امریکی وحدت سیاسی و ماحی نویت کی ہو گی۔ اس سے یہ تاثر پھیلایا جائے گا کہ ہم نے اندروںی اختلافات کو جمہوری طریقے سے Address کیا ہے۔ اس سے الاحالہ عوام پر ثبت اثرات مرتب ہوں گے اور امریکی قوم کی وحدت کا ایک نیا تلفیری مل شروع ہو جائے گا جو طویل المیعاد اور پائیدار ہو گا۔ عالمی سطح پر امریکہ کو اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ کسی دفعے کے حوالے سے USA کو ہارگز نہیں کیا جاسکے گا کیونکہ پچاس ریاستوں کے مرکزگریز رجحان کے باعث ہارگز کا تعین مشکل ہو جائے گا۔ اس وقت یورپی یونین کو یہ فائدہ حاصل ہے کہ اسے ہارگز نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے یورپ کی سیکورٹی سیاسی اعتبار سے زیادہ پائیدار ہوئی ہے۔ یورپی یونین شاید یہ نسلی بھی نہ کرے کہ Unity in diversity (تنوع میں وحدت) کو پھیلاتے ہوئے وفاق کی سطح پر لے جائے کیونکہ اس سے فائدہ کم اور فحصان زیادہ ہو گا۔

بات کو سمجھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آنے والے دنوں میں امریکہ کے اندر یعنی داخلی اعتبار سے چند نیادی تبدیلیاں متوقع ہیں جس سے عالمی سطح پر اقوام کے مابین راہ و رسم کے نئے باب وابو سکتے ہیں اور امریکہ کے یک قطبی نظام کو طوالت بھی مل سکتی ہے۔

امریکی معاشرہ۔ سوچ میں تبدیلی کی جانب گامز

۱۱ ستمبر کو ولڈز ٹرینینگ سنتر پر دہشت گردی کے حملے، اس پر عالمی رو عمل اور افغانستان پر (امریکی) بمب اڑی کے بارے میں بہت سے تبصرے شائع ہو رہے ہیں۔ ان تبصروں میں سب سے زیادہ واضح اور تیز تبصرہ کی کالم نگار نہیں، بلکہ ایک سیاسی شخصیت، کیوبا کے صدر فیڈرل کاسترو نے کیا ہے۔ انہوں نے ۲۲ ستمبر کو (کیوبا کے دارالحکومت) ہوانا میں تقریر کرتے ہوئے جواب دہائی جملے کہے ہیں، وہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بہت سے دوسرے لوگوں کے برکس، جو فیشی انقلاب پسند ہیں، کاسترو نے واضح اور فیصلہ کن انداز میں دہشت گردی کے جواز سے انکار کیا ہے: ”اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آج دہشت گردی ایک خطرناک اور اخلاقی طور پر ناقابلِ دفاع صورت حال ہے جس کا، اس کے منع، اقتصادی اور سیاسی عناصر سے قطع نظر جو اس کو روپ عمل لانے کا موجب بنتے ہیں، مکمل انسداد کیا جانا بے حد ضروری ہے۔“

مسرکاسترو نے دہشت گروں کے حملہ کے امکانی نتائج کا بھی اندازہ لگایا ہے۔ ان کے الفاظ میں وزن ہے کیونکہ وہ بچے انقلابی ہیں: ”اس دہشت گردی سے فائدہ کے سچنچا ہے؟ انتہائی دامیں بازو والوں کو، نہایت پس ماندہ ٹکرداری میں بازو کی قوتوں کو، ان لوگوں کو جو دنیا میں فروع پذیر بغاوت کو کچلانا چاہتے ہیں اور اس کرہ ارض پر اگر کوئی ترقی پسند عذر موجود ہے یا باقی بچ گیا ہے، اسے تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی، ایک بڑی نا انسانی تھی، یہ بہت بڑا جرم تھا جس کا ارتکاب، جس کی منصوبہ بندی اور جسے روپ عمل لانے والے بھی انسانیت کے مجرم ہیں۔“

وہ شخص جو گزشتہ ۲۰ سال سے امریکی بالادستی کی مزاحمت کر رہا ہے، بخوبی جانتا بوجھتا ہے کہ ایک منصفانہ دنیا کا قیام ہی دراصل انسانی ترقی و تعمیر کا منصوبہ ہے۔ ایک زیادہ منصفانہ اور جمہوری دنیا کے قیام اور

۱۱ مضمون انکار امریکی کی درمونٹ یونیورسٹی میں اگریزی کے استاذ ہیں۔ تحریر کا ترجیح جناب نذر حق نے کیا ہے۔

آزادی کی جدوجہد کا طویل کام ذر امآلی انداز میں تی وی پر ڈیوبیش چلا کر تو مکمل نہیں کیا جاسکتا۔ خوف و ہراس سے کوئی تعمیری کام تو نہیں ہو سکتا، اس سے تو عدم استحکام ہی پیدا ہوتا ہے اور عدم استحکام خلا پیدا کرتا ہے جو اکثر دیش فائزہم پر تنی ایجنسڈار کھنے والی قوتوں کو ہی، خواہ یہ فائزہم نہ ہی بنیاد پرست قوتیں رو بہ کار لائیں یا کیش القوی سرمایہ دار قوتوں کے جلو میں آئے، آگے آنے اور خلا کو پر کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

مرسٹ کا ستروکی بقیر تقریر تو افغانستان میں امریکہ کی فوجی مداخلت کی مخالفت اور سرزنش پر مشتمل ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ غیر ترقی یافتہ غریب دنیا میں رہنے والے کروڑوں عوام اور قوموں کی معیشت پر ہی اس دہشت گردی کے نہایت خطرناک اثرات مرتب ہوں گے۔ انہوں نے صدر جارج بیش کی طرف سے بنیاد پرستانہ انداز میں نفرہ بازی پر بھی شدید نکتہ چینی کی ہے۔ (یہ صدر بیش کی طرف سے "صلیبی جنگ" کے آغاز، کی باتوں کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے قوم سے خطاب کے دوران کی تھیں) آخر مرسٹ کا ستروک امریکی اسپارز کی غارت گر اور تنہ خوانا سے تو واقع ہیں نا!

صدر کا ستروکی طرف سے دہشت گردی کو مسترد کرنا اور اس امر کی تسلیم کر دہشت گر انقلاب کی حمایت نہیں کرتے بلکہ رجعت پسندی کے فروغ کا سبب بنتے ہیں، دنیا میں ہر جگہ ایسے مردوخاتیں کو پسند آئیں گے جو باہمی محبت اور مفاہمت چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس بنا پر ان کے خیالات کے مطابق امریکہ میں جو کچھ ہوا، اس کے اثرات کا جائزہ لیا جانا چاہئے۔ امریکہ میں مقیم کسی بھی مبصر پر، افغانستان میں امریکہ کی فوجی مداخلت کے علاوہ متعدد حقائق آشکار ہوئے ہیں۔ یہ تسلیم کر ایک تبر کے حادثات کے فوری اثرات خوف، عدم تحفظ اور فوجی جواب ہیں لیکن جیسا کہ امریکہ کے عظیم ترین فلاسفہ میلف والڈ اویمر سن نے ۱۸۳۶ء میں لکھا تھا:

"اگر کوئی ایسا زمانہ ہے جس میں پیدا ہونے کی کسی میں خواہش پیدا ہو تو کیا یہ انقلابات کا دور نہیں جب پرانے اور نئے ساتھ ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے درمیان موازنہ ہو رہا ہے، جب تمام افراد کے صبر کا امتحان خوف اور امید لے رہے ہوتے ہیں، جب پرانوں کی تاریخی شان و شوکت کی جگہ نئے دور کے شاندار امکانات کو دی جا سکتی ہو؟"

و لذلذ ٹیمسٹر پر دہشت گروں کے جملے کے بعد بڑے ہی حیران کن نتائج پیدا ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ بیش انتظامیہ کے بعض بنیادی مفردات خالیہ دونوں کے دوران بالکل الٹ پڑ گئے ہیں۔ میں نے اس اخبار کے لیے تین ماہ قبل ایک مضمون پر قلم کیا تھا جس میں، میں نے خارجہ امور میں امریکہ کی تہائی پر سخت افسوس کا انہصار کیا تھا۔ امریکہ نے کیوں معاهدے کو مسترد کر دیا تھا جو کیمیائی اور حیاتیاتی جنگی تزویریات کی تحدید یہ اور

چھوٹے ہتھیاروں کی سلسلگ پر میں الاقوامی کنشوں کے بارے میں تھا۔ دہشت گروں کے جملے کے بعد صدر بش، نائب صدر ذکر چینی اور وزیر دفاع رمز فیلڈ نے، جو بھی تمہائی پسندی کا شکار ہیں، اپنی ساری توجہ ”میں الاقوامی کوشش“ قائم کرنے پر مرکوز کر دی۔ وہ اس خطرے کا مدارک کرنا چاہتے تھے کہ امریکہ اپنی فوجی قوت دوسروں سے صلاح مشورہ کیے بغیر استعمال کرے گا۔ وہ مسلمانوں کو بھی یہ یقین دلانے لگے کہ امریکہ تو نہ ہی تنوع کو پسند کرتا ہے۔ اس نظر میں اقوام متحده کو دیا جانے والا جواب خاص طور پر قبل غور ہے۔ چالیس سال سے زائد عرصے کے دوران میں رہی بلکن (پارٹی کے قائدین) اقوام متحده کو امریکہ کی خود مختاری پر تحدید قرار دیتے اور ادارے پر سخت تلقید کرتے رہے ہیں۔ وہ اس میں الاقوامی ادارے کے فنڈز روکتے رہے اور اسے فنڈز کی کاشکار بناتے رہے حالانکہ امریکہ کے ذمے، جو دنیا کی امیرترین ریاست ہے، یہ فنڈ بجا طور پر واجب الادا تھے۔ امریکی حکام اقوام متحده کی ہر اس کوشش کا مذاق اڑاتے رہے جو دنیا بھر میں کسی بھی خطے میں عوام کو خطرات سے بچانے کے لیے کرتی رہی ہے لیکن گزشت چند ہفتوں کے دوران میں رہی بلکن صدر (جارج بش) نے اقوام متحده کو گویا گلے لگارکھا ہے۔ وہ اسے ضروری قرار دے رہے ہیں تاکہ افغانستان کے سیاسی مستقبل کے بارے میں قرارداد منظور کر اسکیں اور وہ دنیا بھر کے شہریوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے اقوام متحده کے کردار کی تصدیق و توثیق کرتے پھر تے ہیں۔

..... لیکن اب بھی دیکھنے کی بات یہ ہے کہ امریکی خارجہ پالیسی یک طرف کے بجائے اجتماعیت میں تبدیل ہو رہی ہے۔ پہلے شامل امریکہ اور یورپ کی سرحدوں سے آگے کسی اور دنیا کو تسلیم کرنے پر تباہیں تھے گمراہ وہ اس احساس کا اظہار کر رہے ہیں کہ ترقی پذیر دنیا ایک غیر معمولی پیچیدہ دنیا ہے مگر امریکہ کی بر سر اقتدار تو میں ابھی پوری طرح اس بات پر تباہیں کہ موجودہ عالمی نظام پر نظر ثانی ہوئی چاہیے جس میں دولت مندوں میں عالمی معیشت پر چھائی ہوئی ہیں اور یہ بات دنیا بھر کے شہریوں کے لیے نہایت نقصان دہ ہے۔ اس امر کا کوئی امکان بھی نہیں کہ واشنگٹن کی سیاست یا معیشت کاری دنیا میں دولت یا آمدنی کی غیر مساوی تقسیم کو تبدیل کرنے میں کوئی کردار ادا کرے گی لیکن دولت کی منصافت تقسیم کے بغیر ترقی پذیر دنیا اپنے معاشرتی (ترقی کے) اہداف حاصل نہیں کر سکے گی۔ دولت کی تقسیم میں انہم اور واضح تبدیلی کے بغیر اربوں انسان غربت کی بھی میں جلتے رہیں گے، بیماریوں کے تنوں میں جلتے رہیں گے اور ان کی توقعات کبھی پوری نہ ہوں گی۔ دہشت گردی کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں، اس کی نزرسی تو مایوسی اور غصہ ہی ہیں جو ایک ایسی دنیا میں مقیم انسانوں میں جنم لیتے ہیں، جہاں غربت نے ذیرے ڈال رکھے ہوں لیکن وہاں دولت و افر مقدار میں موجود ہو

البت اس کی منصفانہ تفہیم پیدا ہو۔

وہشت گردی کا ایک اور نتیجہ امریکی عوام کی آگاہی میں تبدیلی بھی ہے۔ اگرچہ امریکی عوام بھی دنیا کے درمیں عوام سے مختلف نہیں ہیں، جن کی ایک خاصی بڑی تعداد یا تو اس نوع کی خبروں کو نظر انداز کر دیتی ہے یا پھر اپنے سابقہ نظریات میں تبدیلی کے لیے تیار نہیں ہوتی، لیکن اب امریکیوں کی ایک بڑی تعداد ۲۰۱۷ء تبریکی نسبت آج دنیا کی صورت حال کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ رہی ہے۔ صرف یہی نہیں، وہ یہ بھی سمجھ رہے ہیں کہ ۲۱ ویں صدی میں زندگی زیادہ غیر محفوظ اور خطرات سے پُر ہو سکتی ہے۔ اس وقت بہت سے امریکیوں کے دل میں تین انواع کی بصیرت نے جنم لیا ہے:

۱۔ دنیا امریکہ کی سرحدوں کے ساتھی ختم نہیں ہو جاتی۔

۲۔ امریکی شہریوں کی ایک بڑی تعداد میں یہ احساس اور ادراک بھی پیدا ہوا ہے کہ دنیا میں بہت سی اقوام اور معاشرے ہیں جو آزاد ہیں، خود مختار ہیں اور وہ امریکی امداد، ثقافت اور ارشاد سونx کے بغیر بھی زندگی بر کر سکتے ہیں۔ گزشتہ نصف صدی کے دوران میں امریکیوں کو بھی ایک لمحے کے لیے بھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ اقوام کا معاملہ بڑا پچیدہ ہوتا ہے اور اقوام کے درمیان تعلقات بھی اسی طرح پچیدہ اور ترتیب ہوتے ہیں لیکن آج ان میں ان باتوں کا ادراک اور احساس پوری طرح بیدار ہو چکا ہے۔ صرف وہی لوگ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں جو امریکے میں سالوں سے رہ رہے ہیں یا وہ جو امریکہ یا تراپر اکثر ویژتھ آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ بے حد حریان کن امر ہے کہ امریکی فوج کے لیے یہ حکم نہیں ہے کہ وہ کسی بھی ملک پر چڑھ دوڑیں بلکہ اب یہ ہو رہا ہے کہ فوجی کارروائی سے قبل اس کے میں لا توانی میتاج کو بھی ملاحظہ کھا جا رہا ہے۔ امریکیوں کے بارے میں یہ تصور کہ وہ چ رہا ہے ہیں، جیسا کہ پرانی فلموں میں دکھایا جاتا ہے یا پھر وہ پولیس والے ہیں جیسا کہ کئی فلموں میں انہیں پیش کیا جا رہا ہے جو اپنی پستول نکال کر ہر مسئلے کو حل کر سکتے ہیں اور ہر سامنے آنے والے مخالف کو گولی کا نشانہ بناتے چلے جاتے ہیں، اب مدھم پڑتا جا رہا ہے۔ افغانستان پر فضائی بمباری کے جواز یا انصاف کے بارے میں کوئی کچھ بھی سوچے، لیکن یہ (القدام) سوچا سمجھا ہے اور کسی ناراض گن میں کافوری رویں نہیں کہ وہ ہر اس چیز کو گولی کا نشانہ بناتا چلا جائے جو سے حرکت کرتی ہوئی نظر آئے۔

۳۔ مغربی دنیا میں عموماً اور امریکہ میں خصوصاً یہ آگاہی بڑھ رہی ہے کہ دنیا کی آبادی کے تیرے سے سے زیادہ افراد قرآن پاک کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔ دو ماہ قبل غالباً ۵ فیصد کے قریب امریکی یہ جانتے تھے کہ اسلام دنیا میں کتنی دور دور تک پھیل چکا ہے مگر آج امریکیوں کی اکثریت اسلام کی وسعت کے بارے میں

آگاہ ہو چکی ہے۔ اب بہت سے امریکی ایسے بھی ہیں جو یہ سمجھنے لگے ہیں کہ یہ ایت کی طرح اسلام میں بھی کئی مکاتب فلر ہیں، کئی فرقے ہیں اور ان سب کی اندر وافی روایات بھی ہیں۔ نیو یارک میں دہشت گروں کے حملوں کے بعد کے دنوں میں اگرچہ امریکہ کے گلی بازاروں میں مسلمانوں پر حملوں، ان سے گالی گلوچ کرنے اور تنک کرنے کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے، لیکن اس کے ساتھ پہلے سے بہت زیادہ حد تک صبر و تحمل، برداشت، باہمی تصورات اور عقائد کے اختلاف کو قبول کرنے، خصوصاً اسلام کی مذہبی رسوم پر عمل اور اسلامی اقدار سے تعریض نہ کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ اگر امریکہ کا کوئی مخصوص دعویٰ ہے جس پر امریکی عموم بھی غیر کرتے ہیں، تو وہ یہ ہے کہ امریکی شہری اختلافات کو برداشت کرنے اور معاشرتی گوناگونی کو قبول کرنے پر تیار رہتے ہیں۔ اس امریکی تردیدنا ممکن ہے کہ امریکی معاشرہ اپنی امنگوں اور خواہشات کے مطابق عمل یہ رہتا ہے لیکن بسا اوقات، خصوصاً گزشتہ بفتون کے دوران میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ امریکی معاشرہ زیادہ تحمل و برداشت اور نوع انسانی کی گوناگونی کی تفہیم کا ثبوت دے رہا ہے۔

۳۔ امریکی معاشرے کے ضمیر میں تبدیلی شاید سب سے زیادہ اہم بات ہے۔ پورے امریکہ میں مرد اور خواتین یہ سوال پوچھتے رہے ہیں کہ ہمارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، وہ کیسے ہوا، کیونکر ہوا؟ ایک سڑپرتو، جیسا کہ صدر فیڈرل کاسترو نے بھی ذکر کیا ہے، اس سوال کا جواب یہی ہے کہ کسی بھی اخلاقی نظام یا انتظامی حکمت عملی میں دہشت گردی کی کارروائیوں کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ایک اور سڑپر، امریکی معاشرے میں اس امر کا احساس بھی بڑھ رہا ہے کہ دنیا کے بہت سے انسانوں اور اتعاد معاشروں کو امریکی قوم سے بالکل صحیح شکایات اور گلے شکوئے ہیں۔ آج امریکہ کے شہری انتہائی سخیدگی کے ساتھ یہ بحث رہے ہیں، جو قبل از یہی محسوس نہیں کی گئی، کہ ان کی قوم کا غالی نظام یادنیا کے ڈھانچے میں نہایت بنیادی کردار ہے جو معاشروں کو غریب اور پس ماندہ معاشروں سے جدا کرتا ہے اور امریکہ ایک مین الاقوای پولیس میں ہونے کی حیثیت میں امیر اور غریب معاشروں کے درمیان اس فرق کو قائم رکھتا ہے۔ میں نے اپنی زندگی کا پیشتر حصہ اقتصادی انصاف کے لیے جدوجہد میں گزارا ہے۔ یہ بات حیران کن ہے کہ ان دنوں امریکہ میں ہر طرف امریکیوں کی ان پالیسوں کی نہ صحت ہو رہی ہے جن کے باعث اس کرہ ارض پر آباد نصف سے زائد انسانوں پر مسلسل ظلم و جبر ہو رہا ہے۔ اس نہ صحت میں امریکی نوجوان، بوڑھے، پڑھے لکھے اور مراجعت یافتہ طبقہ کے لوگ اور عام مزدور، عام شہری تک بیک زبان شامل ہیں۔ امریکہ میں جہاں بھی چار افراد میں کوئی گفتگو کرتے ہیں تو وہ کھیلوں، فلموں یا موسیم پر نہیں ہوتی بلکہ وہ امریکہ کی سیاسی پالیسوں پر بحث کرتے نظر آتے ہیں حالانکہ قبل از یہی ایسا نہیں تھا۔ یہ بات

پیت واقعی بعض مرکزی اور بنیادی مسائل پر ہی ہوتی ہے، مثلاً امریکہ نے دنیا میں غربت کو قائم رکھنے کے لیے کتنا زیادہ کرواردا کیا ہے؟ لوگ اس بات پر امریکہ کا ماحصلہ کرتے نظر آتے ہیں کہ دنیا میں جمہوری اور منتخب حکومتوں کے بجائے اپنی پسند کے چند افراد پر مشتمل حکومتوں کو لوگوں پر مسلط کرنے کی کوشش کرتا ہے اور امریکہ مختلف خطوں اور ممالک میں عدم استحکام پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ یہ باتیں امریکی عوام کو سلسلہ پریشان رکھ رہی ہیں۔

امریکیوں کی بڑی تعداد ان باتوں کے بارے میں اظہار خیال کرتی نظر آتی ہے اور وہ امریکہ کی ان خامیوں کو خوب سمجھ رہے ہیں مگر بخش انتظامیہ کے بڑے، فوجی جرنیل اور مالیاتی اداروں میں بیٹھے ہوئے بغاوتوں کو ان کا کوئی خیال نہیں ہے۔ جب تک بر سر اقتدار تو تھیں، ان میں سیاسی اور معاشری دونوں شاخیں ہیں، ان باتوں کا اور اس کا اور اس کی شہریوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے خدشات اور خطرات کا احساس نہیں کریں گی اور امریکی شہریوں کے درمیان بنیادی اقتصادی تعلقات میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہو گی۔ لیکن اس امریکی امید کی جا سکتی ہے کہ سوچ میں تبدیلی ضرور آ رہی ہے اور یہ بڑی اچھی بات ہے۔ شاعر شبلی نے لکھا تھا: ”اگر موسمِ سرما آتا ہے تو کیا موسمِ بہار بہت دور ہو سکتا ہے؟“ اگرچہ ان سب باتوں کا ثابت جواب یقینی ہرگز نہیں ہے لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ”اگر عوام بدلا جائیں تو کیا ان کی حکومت ان سے دور ہیچھے رہ سکتی ہے؟“

(بکری یروز نامہ پاکستان)

الشريحة اثرنيت پر

مختلف علمی، فکری، سیاسی اور معاشرتی مسائل پر۔

ماہنامہ الشريحة کے رئیس اتحیر یوسف ناز اہل الراشدی

اور مدیر الشريحة عمار ناصر

کے قلم سے نکلنے والی تحریروں کا ایک انتخاب

اثرنيت کی درج ذیل ویب سائٹ پر بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

ورلڈر ڈیسٹر کا المیہ .. اصل گیم

ورلڈر ڈیسٹر کے الیے پر بہت کچھ لکھا جا پکا ہے بلکہ اس سے پیدا شدہ صورت حال پر بھی بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔ اس الیے کی تہہ میں چھپے طوفان پر شاید بہت ہی کم لوگوں کی نکاہ ہوگی۔ ورلڈر ڈیسٹر کی تباہی کوئی جذبائی کارروائی نہیں ہے بلکہ یہ بھی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ اس منصوبہ بندی کی کڑیاں بہت دور تک جاتی ہیں۔ وہائق یہودیت (Protocols) پر گہری نظر رکھنے والوں کے لیے اس قفسی کو، اس کی تہہ میں چھپے طوفانوں کو سمجھنا سہل ہے۔

یہود کے منصوبہ میں سیر فہرست عالمی سطح پر اقتدار اعلیٰ کی منزل ہے جس کا پایہ تخت 'القدس' ہو گا جو عظیم اسرائیل کا بھی پایہ تخت ہو گا۔ عظیم اسرائیل کا حصول ان کا خفیہ منصوبہ نہیں ہے۔ اس لیے پہلے 'القدس' کے ساتھ اسرائیلی مملکت کا قیام تھا جس میں وہ ۱۹۴۸ء میں برطانیہ کی سرپرستی سے کامیاب ہو گئے۔ نصف صدی کے بعد اب انہوں نے دوسرے مرحلے پر کام شروع کر دیا ہے۔ عظیم اسرائیل میں ارض فلسطین کے علاوہ ترکی، شام، عراق، اردن، کویت، بحرین، عرب امارات، سعودی کا پیشتر حصہ بیشول مدینہ منورہ، سوڈان، مصر وغیرہ شامل کرنے کی آرزو اور عملی کوشش ہے۔

اس آرزو کی تکمیل ایکی اسرائیل کے بس میں نہیں ہے بلکہ اس نے مداری کا روں اسرائیل اور برطانیہ کے پردازیہ اور امریکہ و یورپ پر اپنے سونے کے زور پر حاوی ہونے کے بعد اور انہیں یہ یقین دلا کر کہ ہمارا تمہارا دشمن نبیر ایک اسلام اور مسلمان ہیں، اپنਾ ہم نواہیا ہے۔ یہودی مسلمان ممالک کو کمزور کر کے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے خود پس پر دہ رہ کر وقت فتح اپنی منصوبہ بندی کو آگے بڑھاتا رہتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے خود یہود کی زبانی:

"وہ کون ہے اور کیا ہے جو نادیہ ہوت پر قابض ہو سکتا ہے؟ بالحقین بھی ہماری قوت ہے۔ صیہونیت کے کارندے ہمارے لیے پردے کا کام دیتے ہیں جس کے پیچے رہ کر ہم مقاصد حاصل کرتے ہیں۔ منصوبہ مل ہمارا تیار کر دہوتا ہے مگر اس کے اسر اور موز بیش عالم کی آنکھوں سے اچھل رہتے ہیں۔" (پر دو کوارٹ ۲:۳)

منصوٰ علی ایران عراق جنگ کا ہو، عراق کو یہ کا ہو، عراق پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی یلغار کا ہوا یا انفاسن اپر امریکی دہشت گردی کا ہو، اس کے حقیقی منصوبہ ساز مذکورہ اقتباس کی روشنی میں یہود ہیں اور ولڈ زیرینٹر پر حملوں کی منصوبہ بندی کے خالق بھی وہی ہیں۔ مذکورہ اور موجودہ جنگوں کے منصوبہ کو ذیل کے اقتباس میں ملاحظہ فرمائیے:

”جباں تک ممکن ہو، میں غیر یہود کو ایسی جنگوں میں الجھانا ہے جس سے انہیں کسی علاقے پر قبضہ نصیب نہ ہو بلکہ جو جنگ کے نتیجے میں تباہی سے دوچار ہو کر بدحال ہوں۔“ (پرو ڈو کولز ۱:۲)

اس مختصر اقتباس میں ایران عراق جنگ، روس تھجینا جنگ، عراق کو یہ جنگ اور اب آخر میں امریکہ اور انفاسن اپر جنگ کا جائزہ لے کر یہود کی منصوبہ بندی کی صداقت کو پر کھ لیجئے۔ بات سمجھنے میں کچھ بھی تو مشکل نہیں ہے۔ اسرائیل کو مذہبی ایران اور مضبوط ایسی قوت کے قریب عراق سے خطرہ تھا۔ ایسی پانٹ خود تباہ کر دیا اور پھر ایران عراق کے سینگ پھنسا دیے کہ ان کا اسلحوں، ان کے وسائل، ان کی افرادی قوت جو اسرائیل کے خلاف استعمال ہو سکتی ہے، بھرم ہو جائے اور عرب جنم کا تعصیب ہو۔ اسرائیل اپنی منصوبہ بندی میں کامیاب ہوا اور مسلمان کی بصیرت بازی ہار گئی جس پر مذکورہ ہرم جاذگوں دے رہا ہے۔

جب طویل جنگ کے باوجود عربوں کی مالی مدد کے سبب عراق کو مضبوط دیکھاتو اے کمزور بلکہ برباد کرنے اور عظیم اسرائیل کے منصوبے کو ایک قدم آگے بڑھانے کی خاطر پہلے عراق کو کو یہ پر حملے کے لیے اکسیا اور پھر کو یہ کے ساتھ سعودی عرب پر بھی عربی دہشت کے سائے دکھا کر سعودی عرب کی سرزی میں پر باقاعدہ چھاؤنی بنا کر مستقل ڈیرے ڈال دیے۔ کو یہ اور سعودی کے ”محسن“ نے عربوں سے اپنائیں کا بجٹ دھوکا کیا، پرانا اسلحوں مانگے داموں عراق پر گرا یا، نیا اسلحوں کے خرچ پر انہی کی سرزی میں پر ٹھک کر لیا اور جنگ کے نام پر بہنگائے میں عربوں کے خرچ پر جدید اسلحوں اسرائیل پہنچایا۔ عربوں کے سیال سونے پر قبضہ جمانے کے ساتھ عظیم اسرائیل کی تحریکیں کیے دینے سے قریب تر پہنچ گئے۔

عظیم اسرائیل کے خواب کو شرمندہ تعبیر ہوتے دیکھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے عوام اور اس کی فوج ہے کہ یہ عربوں سے بڑھ کر ان کے خیر خواہ ہیں اپنے پاکستان کو کمزور کرنا، اس کو بے بس بنانا اسرائیل کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ یہ کام بھارت سے ہو سکتا ہے یا امریکہ کے ذریعے سے گمراہی کرنے سے۔ پاکستان دشمنی دیکھئے:

”عامی یہودی تحریک کا اپنے لیے پاکستان کے خطرے کاظراً مذہبیں کرنا چاہئے اور پاکستان اس کا پہاڑا۔“

ہدف ہونا چاہئے پسند کی نظریاتی ریاست یہودیوں کی بھاکے لیے سخت خطرہ ہے اور یہ کسر اپا کستان عربوں سے محبت اور یہودیوں سے نفرت کرتا ہے۔ اس طرح عربوں سے ان کی محبت ہمارے لیے عربوں کی دشمنی سے زیادہ خطرناک ہے بلکہ اعلیٰ یہودی حضیر کو پا کستان کے خلاف فوری کارروائی کرنی چاہئے۔ بھارت پا کستان کا ہمسایہ ملک ہے جس کی ہندو آبادی مسلمانوں کی ازی دشمن ہے جس پر تاریخ گواہ ہے۔ بھارت کے ہندو کی اس مسلم دشمنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں بھارت کو استعمال کر کے پا کستان کے خلاف کام کا آغاز کرنا چاہئے۔ ہمیں اس دشمن کی طبع کو سچ سے وحی تر کرتے رہنا چاہئے تاکہ یہودیوں کے یہ دشمن ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو جائیں۔” (امر ایکل وزیر اعظم بن گویان کی تقریر، ہوالہ جو شکر انیکل، ۹۔ اگست ۱۹۶۷ء)

”پا کستان کی فوج اپنے تنبیہ بر کے لیے بے پناہ محبت رکھتی ہے اور یہی وہ رشتہ ہے جو عربوں کے ساتھ ان کے تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔ سبی محبت، وسعت طلب عالی صیونیت اور مضبوط اسرا ایکل کے لیے شدید خطرہ ہے ابتداء یہودیوں کے لیے یا انتہائی اہم دشمن ہے کہ ہر صورت اور ہر حال میں پا کستانی فوج کے دلوں سے ان کے تنبیہ بر کی محبت کو کھڑج دے۔“ (امر کمی ملٹری ایکسپریس پروفیسر ہر نزیکی روپورٹ)

سعودی اور کویت میں قدم جھائیت کے بعد اسلامی جمہوریہ پا کستان کو بے بس کرنا ضروری تھا اور یہ بی کمل صرف اس صورت میں ممکن تھی کہ اس کے شمال میں اسلامی ریاست افغانستان کو بے بس کر دیا جائے اور وہاں لا دینی حکومت قائم ہو جو امریکہ اور بھارت یا بالفاظ دیگر یہود کے اشارہ ابرو پر کام کرے اور اسلامی جمہوریہ پا کستان سینڈوچ بنار ہے۔ اسلامی جمہوریہ پا کستان کے مشکل لمحات کے دوست چین کو پا کستان سے بذریعہ کر کے پہنچنے ہنا کر پا کستان کو تباہ کر دیا جائے۔

یہ بہت بڑا کام تھا اور اس کی تکمیل کے لیے منصوبہ بندی کا تھا ضایہ تھا کہ کوئی بڑا کام کیا جائے جس سے امریکہ کی دہشت اور حشمت کو مسلمان حکمرانوں کے سامنے لاکھڑا کیا جائے۔ چنانچہ ولڈر لیڈ سٹرپر جو امریکی وقار کی علامت سمجھا جاتا تھا اور ہینا گون پر جو امریکی عظمت اور عالمی غنڈہ گردی کی علامت ہے، کاری ضرب لگا کر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا رخ پا کستان اور افغانستان کی طرف پھیرنا ضروری سمجھا گیا۔

”ہماری شناخت ”وقت“ اور ”اعتداد بناو“ میں ہے۔ سیاسی فتح کا راز وقت میں مضر ہے بشرطیکا اسے

یا است دانوں کی بنیادی مطلوبہ ضرورت اور صلاحیت کے پردے میں چھپا کر استعمال کیا گیا ہو۔ تشدید اہم اصول ہونا چاہئے اور ان حکمرانوں کے لیے جو حکمرانی کو کسی نئی وقت کے گماشتوں کے ہاتھ میں نہ دینا چاہئے

ہوں، ان کے لیے یہ کرمیں پہنچاؤا، ”اعتداد بناو“ کا اصول ہے۔ یہ برائی ہی ہمیں ”مطلوبہ خیر“ تک لے جانے کا

آخری ذریعہ ہے۔" (پر دو کوارٹز: ۲۳)

وولدہ زریڈ سائز کے انداک تشدیک کو آنکھوں کے سامنے رکھ کر ایک بار پھر مذکورہ اقتباس پڑھیے بلکہ ان الفاظ پر ذراز کیے کہ "یہ برائی ہمیں مطلوب بخیر تک لے جانے کا آخری ذریعہ ہے" اور سوچیے کہ زریڈ سائز کی تباہی والی برائی عظیم تر اس انداز کی منزل تک لے جانے کا آخری ذریعہ ہے۔ اس ذریعہ تک رسائی کے لیے ان کا موثر تھیار میدیا یا ہے۔

اب آئیے اقتباس میں "قوت اور اعتناد بناؤ" پر توجہ دیں۔ امریکہ میں یہود کی قوت اور یہود پر اعتناد کس کی نظر سے اوچھل ہے؟ امریکہ کے آج تک اے اصدور یہودی خفیہ تنظیم فرمی میسنز کے باضابطہ رکن رہے۔ آج صدارتی ایکشن یہود کی مدد کے بغیر جتنا ممکن ہے۔ کوئی بیش کی طرح جیت لے تو صدر رہنا مشکل۔ بیش جن حالات سے دوچار رہے، وہ ہر کسی کے سامنے ہیں۔ وولدہ زریڈ سائز اور پینٹا گون کے الیے سے "خیر" نکالنے کا کام میدیا کے ذمے تھا جو اس نے بڑی خوبی سے نجحایا کہ امریکی حکومت کی طرح مغربی میدیا یا بھی یہود کا زرخیز غام ہے۔ ادھر انو شدہ "جہاد" "قوت اور اعتناد بناؤ" کے فارموں لے پر عمل کرتے، امریکی ایجنسیوں کی کارکردگی کا نام اق اڑاتے پنٹا گون اور زریڈ سائز ناور سے ٹکرائے، ادھر میدیا یا اس کا رشتہ اسامد بن لادن اور طالبان سے جوڑنا شروع کر دیا۔ یوں گوبلز کی اولاد غصے میں پاگل بیش اور اس کی حکومت کو اتنا آگے دھکلنے میں کامیاب ہو گئی کہ بیش آخری صلیبی جنگ لڑنے تکل کھڑے ہوئے۔

میدیا کے ٹمن میں یہود کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمائیے:

"چند مستشیات کو چھوڑ کر پہلے ہی عالمی سطح پر پریس ہمارے مقاصد کی تجھیں کر رہا ہے۔" (پر دو کوارٹز: ۵)

"پریس کا دراوی ہے کہ ہماری ناگزیر تجھات کو موثر انداز میں پھیلانے، یوائی شکایات کو اجاگر کر کے ہمارا میں بے چینی پھیلانے" (پر دو کوارٹز: ۵)

ان اقتباسات کی روشنی میں آپ انتہی اور اس کے بعد سے آج تک امریکہ کے اندر اور باہر پریس کا کروارہ کیجے کر خود فیصلہ کر لیں کہ میدیا کس طرح یہود کی "ناگزیر تر تجھات" کی تجھیں کے لیے موثر کردار ادا کر رہا ہے۔ معمولی غور و فکر سے یہ اندازہ کرنا بھی کچھ مشکل نہیں کہ پاکستانی میدیا بھی یہود کے عالمی میدیا کی سر سے سے سر ملا کر حق تھک ادا کر رہا ہے۔

ذکورہ تفصیل سے جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ عظیم تر اس انداز کے خواب کو شرمندہ تغیر کرنے کے لیے یہود کی منصوبہ بندی ایک مدرج کے ساتھ بڑے موثر انداز میں آگے بڑھ رہی ہے۔ پہلے روس کے

پر پاور ہونے کے خناس کو افغانستان میں پھسا کر رسوائیا۔ اب دنیا میں امریکہ پر پاور ہونے کا دعوے دار ہے۔ اسے بڑے سلیقے سے افغانستان میں لا کر عسکری اور معاشرتی میدان میں بانجھ کرنے کا فیصلہ کیا کہ اندرورنی طور پر اسے کمزور کر کے عالمی اقتدار کے راستے کا یہ روڑا ہٹا دیا جائے۔ برطانیہ ہو یا فرانس اور یورپ کے دیگر ممالک، پہلے ہی یہود کے بانج گزار ہیں۔

امریکہ، روس اور دیگر یورپی ممالک کے بعد لے دے کے اسلام یہود کے مدد مقابلہ رہ جاتا ہے۔ اسلامی باک کو امریکہ اور یورپی باک کے ذریعے سے نیست و نابود کر دیا جائے تو یہود کے لیے میدان خالی ہو گا۔ اسلامی باک میں صرف پاکستان ہے جو ایسی قوت بھی ہے لہذا اس کو دوست بن کر رہ الرؤں کا زہر پاک کر ختم کیا جائے۔ دوستی کی انتہا یہ کہ روز نامہ بخیر یں، ۷۔ اکتوبر کے مطابق اسلامی جمہوریہ پاکستان کے کرتا دھرتا امریکی مہمانوں کو اپنے ایسی مقامات تک لے گئے۔ بقول اخبار انہیں ایسی اسلوکی اسٹور بھی دکھایا جس پر وفر نے سورت بھ کیے تجوادیز دینے کا وعدہ کیا کہ موجودہ سکیورٹی نظام ان کے نقطہ نظر سے درست نہیں ہے۔

خلق اپنی مخلوق کی خوبیوں اور خامیوں سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی مخلوق کو حکم دے، نصیحت کرے کہ فلاں سے دوستی کرو اور فلاں سے بچتے رہو، فلاں دوست ہے اور فلاں دشمن ہے تو حقیقی نصیحت ہی ہے۔ مسلمان کے خالق نے اپنی کتاب میں بار بار تاکید فرمائی کہ یہود و فصاری کو دوست نہ بناو مگر ہم ہیں کہ بیش کو عقل کل سمجھ کر اس کی دوستی پر نازاں ہیں اور اس بے یقین کی بات پر یقین کر کے اپنی فضا، اپنے اذے اس کے پر دکردیے جو دس روز کا کہہ کر خیسے میں اونٹ کی طرح داخل ہو اور اب اسالہ قیام کی نوید سرست نہ رہا ہے۔

افغان مجاهدین اور اسامد بن لاون نے گز۔ کل افغانستان کے خلاف پاکستان کے تحفظی کی جنگ لڑی تھی کہ بھارت کا یار اور پاکستان (امریکی ۲L جاسوس پروازوں کے سبب) دشمن روس افغانستان کے راستے بلوچستان کو تاراج کر کے طبع کے گرم پانیوں پر ڈیرا اذالنے پر مصر تھا تاکہ روس بھارت کے درمیان پاکستان کا وجود ہر لمحہ خطرہ میں رہے، پاکستان لمحہ بمحروم اور بھارت سے آزادی کی بھیک مانگتا پھرے۔ ہماری بد نصیبی کہ ہم نے افغان مجاهدین اور اسامد بن لاون کی قربانیوں کو فراموش ہی نہیں کیا، تھک حراثی پر بھی اتر آئے۔ گزرے کل کی طرح آج پھر وہی افغان اور وہی اسامد بن لاون کفر کے دوسرے روپ، عالمی دہشت گرد کے خلاف بے یار و مددگار، بے ساز و سامان، محض اپنے رب کی رحمت کے سہارے سینہ پر ہیں۔ جس دہشت گرد کی ایک ٹیکلی فون کاں پا اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تین جنگیں لڑنے کے دعوے دار فوجی صدر کا پہنچانی ہو گیا،

اس کے مقابل اللہ کے سپاہی مسلمان محمد مجاهد اور اسامہ بن لا دن ذلت گئے۔ فرق صرف ایک سجدہ کا ہے جو شاید صدر مشرف بھی کرتے ہوں گے اور مسلمان محمد، طالبان اور اسامہ بھی کرتے ہیں۔ اور یہ سجدہ
سیڑا رجہ دوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

کاش مسلمان محمد عمر، اسامہ بن لا دن اور طالبان کی طرح اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قیادت نے بھی ویسا ہی ایک سجدہ کر لیا ہوتا اور مسلمان عالمی دہشت گرد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتے کہ مسلمان جسد واحد ہیں، افغانستان کی طرف اٹھنے والی آنکھ پھوٹ دی جائے گی اور ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

حضرت علیؑ اور حضرت امیر معاویہؓ میدان حرب میں آمنے سامنے تھے کہ حضرت امیر معاویہؓ کو کافر دشمن نے حضرت علیؑ کے مقابلے میں مدد اور تعاون کی پیش کش کی۔ حضرت امیر معاویہؓ کا جواب تھا کہ ہمارا معاملہ دو بھائیوں کا ہے۔ اگر تم نے ایسی جرات کی تو علیؑ کی طرف سے تمہارے خلاف لڑنے والا پہلا شخص معاویہؓ ہو گا۔

آج یہ بات مشرف صاحب کے کہنے کی تھی، شمالی اتحاد کے کہنے کی تھی، ایران و عرب کے کہنے کی تھی مگر بت صنم خانے میں کہتے ہیں مسلمان گئے ہے خوش ان کو کہ کہنے کے غلبہان۔ گئے

منزل دہر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے

افغانستان کو بر باد کر کے اپنی پسند کی حکومت بنانے والے اور ان کے دوسرا ہم نواحکران بصیرت سے عاری یہ بھول گئے کہ یہود و نصاریٰ کا نارگث اسلام اور مسلمان ہیں۔ یہود و نصاریٰ مسلم حکمرانوں سے زیادہ چالاک، عیار و مکار اور عقل مند ہیں۔ جسے آج وہ عالمی دہشت گردی کہہ کر ان سے معاونت لے رہے ہیں، وہ اسلام کا فلسفہ جہاد ہے جسے مٹانے کا عزم لے کر بخش امریکہ سے لکھا ہے۔ بخش کا نارگث اسامہ یا مسلم غریب نہیں ہے، اس کا ہدف اسلام، مسلمان اور مسلمان کا جہاد ہے جس پر کاری ضرب لگا کر وہ گریٹر اسرائیل کی راہ ہموار کر رہا ہے اور کس قدر بد نصیبی کی بات ہے اس نیک مقصد میں مسلمان کھلوانے والے حکمران اس کے معاون و مددگار ہیں۔ پہ میثیت اللہ تعالیٰ افغان مجاهد ہیں اور اسامہ بن لا دن سرخ رو ہوں گے۔ فتح و نصرت ان کا مقدر ہو گی کران کی پس پا اور جبار و قہار و عزیز بھی ہے، سریع الحساب بھی اور ان کے ہتھیار کلکہ طیبہ کے مقابلے میں آج تک کسی فیکٹری میں بہتر ہتھیار نہیں بنا۔ دنیا میں ان کا انعام سکینت ہے جو کسی مسلمان حکمران کا مقدر نہیں اور محشر میں دید اور باری تعالیٰ انہیں نصیب ہو گا۔ دنیا میں کفر کے ساتھی محشر میں ان کے ساتھی ہوں گے اگر تو بکی تو فیض نصیب نہ ہوئی۔

اشاعتِ دین اور تبلیغِ اسلام کا عظیم ادارہ ابو عبیدہ اسلامک ٹرست (رجڑ) گوجرانوالہ

دینی لشیخج کی اشاعت ابو عبیدہ ٹرست تبلیغِ اسلام اور دینی لشیخج کی اشاعت کا مشہور و معروف ادارہ ہے جو گزشتہ بائیس سال سے متحده عرب امارات، بادی عرب اور دیگر ممالک میں لاکھوں کی تعداد میں دینی کتب کی بارا معاوضہ تقدیم کی خدمات انجام دے چکا ہے۔
نوت: درج ذیل رسائل اروپے کے ذاک نکٹ بھیج کر طلب کیے جاسکتے ہیں:
”ورو شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ“، ”حضرت ابو عبیدہ“ اور ”سواک کی فضیلت“

جامعہ فاطمۃ الزہراء اب ادارہ بذہ اشاعتِ دین کے ساتھ گوجرانوالہ پاستان میں جامعہ فاطمۃ الزہراء کے تحت بچیوں کی بارا معاوضہ تعلیم و تربیت کا بیرونی انجام دیا ہے جس میں بیک وقت دینی اور دنیاوی تعلیم دینے کا اہتمام کیا گیا ہے اور مسافر طالبات کے لیے رہائش اور طعام کا انتظام بھی موجود ہے۔

لائبریری اس کے علاوہ ایک دینی لائبریری کا قیام عمل میں لا یا گیا ہے جس میں سانکڑوں دینی کتب اور مختلف اہل علم کی تصنیف کردہ ۲۰۰ کے قریب تغایر مطالعہ کے لیے موجود ہیں۔

تعاون کی خصوصی اپیل آئیے، دینی کتب کی اشاعت اور مفت تقدیم کا راور قرآن پاک کی تعلیم کو عام کرنے کے اس صدقہ جاریہ میں بھرپور تعاون کے ساتھ حصہ دار ہیے اور عند اللہ ما جور ہوں۔ جب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، معاونین کو برادری و ادب ملتار ہے گا۔

الخراج اقبال احمد خان (چیئرمین) ابو عبیدہ اسلامک ٹرست (رجڑ)
کچھ فتو منڈ، بازار اللہ والا، پوسٹ بکس 250، گوجرانوالہ۔ فون: 290597
اکاؤنٹ نمبر 3-0903، یونا یمنہ بک لمینڈ کمشنز روڈ برائیخ، گوجرانوالہ

امت محمدیہ کا امتیاز

امت اسلام میں آخری دینی پیغام کی حامل ہے اور یہ پیغام اس کے تمام اعمال اور حرکات و سکنات پر حاوی ہے۔ اس کا منصب قیادت و رہنمائی اور دنیا کی نگرانی و احتساب کا منصب ہے۔ قرآن مجید نے بہت قوت اور صراحت کے ساتھ اعلان کیا ہے:

کُنْتُمْ حَبِّرَ أَمَةً أَخْرَجْتَ لِلنَّاسِ تَامِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَيْتُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتَوْسِعُونَ بِالدِّينِ

(آل عمران ۱۱۰)

"(اے پیغمبر و ان دعوت ایمان) تم تمام امتوں میں "بہتر امت" ہو جو لوگوں (کی رہنمائی و اصلاح) کے لیے ظہور میں آئی ہے۔ تم نبی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ پر سچا ایمان رکھنے والے ہو۔" دوسری جگہ کہا گیا ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَنَا كُمْ أَمَةً وَسَطَّلْتُكُنُوا شَهِداءً عَلَى النَّاسِ (ابقرہ ۱۳۳)

"اور اسی طرح تو تم نے تمہیں ایک امت وسط بنا�ا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو۔"

اس لیے اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اس امت کی جگہ قافلہ کے پیچھے اور شاگردوں اور حاشیہ برداروں کی صفائح میں ہو اور وہ دوسری اقوام کے سہارے زندہ رہے اور قیادت و رہنمائی، امر و خدمی اور ہنی و فکری آزادی کے بجائے تقليد اور نقل، اطاعت و سپر اندازی پر راضی اور مطمئن ہو۔ اس کے صحیح موقف کی مثال اس شریف، قوی الارادہ اور آزاد ضمیر شخص سے دی جاتی ہے جو ضرورت و احتیاج کے وقت دوسروں سے اپنے ارادہ و اختیار سے وہ چیزیں قبول کرتا ہے جو اس کے حالات کے مطابق ہوں اور اس کی شخصیت اور خود اعتمادی کو مجنوج نہ کرتی ہوں اور ان چیزوں کو مسترد کر دیتا ہے جو اس کی شخصیت اور حیثیت کے مطابق نہ ہوں یا اس کو کمزور کرتی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اس قوم کو کسی دوسری قوم کے شعار اور امتیازات اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

(مسلم ممالک میں اسلام اور مغربیت کی کلش)

شہید کا درجہ

نبوت اور رسالت کے بعد شہادت کا رتبہ ایک بہت اوپری رتبہ ہے اور دنیا کی نایابی ارزندگی کے انقطاع کے باوجود شہیدوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک عمدہ اور باعزت زندگی حاصل ہوتی ہے اور ان کی شان کے لائق ان کو پروردگار کے ہاں سے رزق نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وَلَا تَحْسِنُ الدِّينَ قَسْنَوْا هِيَ سَبِيلُ اللهِ امْوَاتَهُ بَلْ احْيِيَهُ عِنْدَ رَبِّهِمْ بِرْزَقُونَ

"اور تم ہرگز نہ خیال کرنا ان لوگوں کے بارے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارے گئے کہ وہ مردہ ہیں۔

بَلْ وَهُوَ زَنْدَهُ ہیں، اپنے رب کے پاس اٹھیں رزق دیا جاتا ہے۔"

ساری مخلوق میں جو رتبہ، درجہ اور شان حضرت موسیٰ رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے، وہ اور کسی کو حاصل نہیں ہے اور خصوصیت سے ختم نبوت کا جو بلند مقام آپ کو حرمت ہوا ہے، وہ صرف آپ سے مختص ہے۔ بایس ہمہ آپ نے مقامِ شہادت کو اجاگر کرنے کے لیے ایک موقع پر فرمایا کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں۔ (بخاری) جس امر کے حاصل کرنے کے لیے آپ بار بار آرزو کریں، اس کے بہتر اور افضل ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟

حضرت مقدم بن معدی کربلی سے مردی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شہید کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں چھ خصوصیتیں ہیں:

- ۱۔ میں شہادت کے موقع پر اس کو مغفرت کی سند حاصل ہو جاتی ہے، ۲۔ قبر کے عذاب سے اس کو نپاہ مل جاتی ہے، ۳۔ قیامت کے دن خت گجر اہٹ کے موقع پر اس کو امن نصیب ہو گا، ۴۔ اس کے سر پر وقار کا ایسا تاج رکھا جائے گا کہ اس تاج کے ایک موٹی کے مقابلے میں دنیا و ما فیہا کے خزانے کوئی حیثیت نہیں رکھتے، ۵۔ اس کو بہتر حوریں عنایت ہوں گی، ۶۔ اور اس کو اپنی برادری کے ستر آدمیوں کی شفاعت کرنے کا حق دیا جائے گا۔ (ترمذی و قال صحیح)

الشريعة الکادمی کنگنی والا گوجرانوالہ

بحمد اللہ تعالیٰ الشريعة الکادمی گوجرانوالہ کے تہہ خانے میں مسجد خدیجۃ الکبریٰ کے حصے میں پنج وقت نماز باجماعت اور صبح و شام مقامی بچوں کی قرآن کریم ناظرہ کی کلاس کے علاوہ اکادمی کے حصے میں علماء کرام و طلبہ کے لیے انگلش لینگوچ کلاس، سکول اور کالج کے طلبہ کے لیے عربی و اسلامیات کی تیاری اور عربی گیر کے ساتھ ترجمہ قرآن کریم کی کامیابی جاری ہیں۔
اس کے ساتھ ساتھ الشريعة فرنگی ڈپنسٹری صبح آنھے سے گیارہ اور شام ساڑھے چار سے ساڑھے چھ بجے تک کام کر رہی ہے جس سے اب تک کم میش ۳۰۰۰ مریض مستفید ہو چکے ہیں۔

رمضان المبارک کے بعد نئے تعلیمی سال کے پروگرام کے آغاز کے لیے پہلی منزل پر مسجد خدیجۃ الکبریٰ کے مین بال اور درستہ البنات اور لا ہبیری کے دو وسیع بالوں کی تعمیر کے علاوہ تہہ خانے کے باقی ماندہ حصے کی تیاری انتہائی ضروری ہے جس کے لیے تعمیری کام کا اسی ماہ کے دوران میں آغاز کیا جا رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اسحاب خیر سے گزارش ہے کہ اس کا رخیم میں ہمارا باتحثہ بنائیں اور نقد رقم یا سامان تعمیر کی صورت میں عملی شرکت فرمائ کر ضروری تعمیری کام کی بروقت تکمیل میں معاونت کریں۔

تعاون کے لیے

الشريعة کے اکاؤنٹ نمبر 1260 حسیب مینک لائنز، بازار تھانے والا گوجرانوالہ
میں برادرست رقم بھجوائیں یا
عمار ناصر ڈپنکٹ الشريعة الکادمی گوجرانوالہ سے
(پوسٹ بکس 331، فون 219663 پر) رابطہ قائم کریں۔